خانقاہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ ملیّہ

فیصل آباد پاکستان

جمادی الثانی
۱۴۴۷ھ

دسمبر 2025ء

- بے ہنگم ٹریفک اور ہم
  مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی
- اذان کے آداب وفضائل
- خلافت راشدہ پر مختصر تبصرہ
- مجلس نفیس
- امانت اور ایفائے عہد ایک معاشرتی ذمہ داری

بیاد

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ ملیّہ اسلامیہ فیصل آباد

041-8711569

www.milliafsd.com

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

کرم کن کریما ، رحم کن رحیما

ترے در پہ آیا ہے اِک سوختہ دل پناہ مانگتا ہے گناہوں کا حامل
مری سب خطاؤں کی تجھ کو خبر ہے مری تیرے عفو و کرم پہ نظر ہے
کرم کن کریما ، رحم کن رحیما

ترے در پہ آیا ہوں بن کے سوالی ہر اِک چیز سے میرا دامن ہے خالی
ہاں لطف و کرم سے تو دامن کو بھر دے ہر اک آرزو میری پوری تو کر دے
کرم کن کریما ، رحم کن رحیما

مری زندگی کے غموں کو مٹا دے مرے دل کی اُجڑی یہ بستی بسا دے
گنہگار ہوں میں سیہ کار ہوں میں ہاں رحمت کا تیری طلب گار ہونمیں
کرم کن کریما ، رحم کن رحیما

مرے سب غموں کا تو ہی کر مداوی تو ہی میرا ملجا تو ہی میرا ماوٰی
میں محتاج تیرا تو مختار میرا میں عاصی ہوں تیرا تو غفار میرا
کرم کن کریماں ، رحم کن رحیما

تو میرے وطن کو پر امن کر دے زمانے کی ساری ہی خوشیوں سے بھر دے
محبت ، اخوت ، قناعت ، شجاعت نکل جائے ہر ایک دل سے عداوت
کرم کن کریما ، رحم کن رحیما

ہو اولاد میری ترے دیں کی داعی کہ بن جائے ایمان و حق سچ کی ساعی
مصیبت جہاں بھر کی ہر دور کر دے ہاں علم نبوت کا تو نور بھر دے
کرم کن کریما ، رحم کن رحیما

مری والدۃ اور والد کو یا رب عطا کر تو اپنے کرم سے جو ہو سب
تو انوار سے ان کی قبروں کو بھر دے بروزِ جزا ان کو اونچا تو کر دے
کرم کن کریما ، رحم کن رحیما

ترے در سے خالی حبیبؔ اب نہ جائے کہ ہر رنج و غم سے نجات اب یہ پائے
کرے جذب و مستی سے یہ کام تیرا جو دم آخری ہو تو لے نام تیرا
کرم کن کریما ، رحم کن رحیما

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے

خانقاہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ مِلّیہ

فیصل آباد پاکستان

جمادی الثانی ۱۴۴۷ھ

شمارہ نمبر 6 جلد نمبر 22

بمطابق دسمبر 2025ء

فہرست مضامین

* بے ہنگم ٹریفک اور ہم — مولانا حماد الرحمن لدھیانوی 2
* مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ 9
* مجلس نفیس 11
* اسلام میں عقائد کی حقیقت و اہمیت — حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی 13
* خلافت راشدہ پر مختصر تبصرہ 19
* تاریخ ختم نبوۃ تاریخ کے آئینے میں 23
* اذان کے آداب وفضائل 28
* امانت اور ایفائے عہد ایک معاشرتی ذمہ داری 31
* خواتین کے صفحات — خادمۃ القرآن 35
* بچوں کے صفحات 38

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

ابن انیس حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ — خلیفہ مجاز سید نفیس الحسینی

مدیر: مولانا حماد الرحمن لدھیانوی

مدیر مسئول: مولانا جواد الرحمن لدھیانوی

فی شمارہ 80 روپے

پاکستان میں سالانہ 1000 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 100 امریکی ڈالر

رابطہ کیلئے: معہد ملیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد پاکستان 041-8711569, 0321-6611910

ناشر: حبیب الرحمن لدھیانوی

مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

اداریہ

بے ھنگم ٹریفک اور ہم

حماد الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی : اما بعد!

ملک عزیز پاکستان میں گذشتہ چند سالوں میں ٹریفک کا بے ہنگم اضافہ دیکھنے میں آیا ہے، جس علاقے اور روڈ سے گذریں لوگوں کی قطاریں لگی نظر آتی ہیں، خصوصا موٹر سائیکلوں کی تو گویا بہار آئی ہوئی ہے، اسی لیے بسا اوقات سڑک پر پیدل چلنا بھی محال نظر آتا ہے، آئے روز ایکسیڈنٹ اور زخمی ہونے کی خبریں اخباروں میں پڑھتے ہیں، اس ساری مارا ماری میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بھی انہیں دیکھنے والا نہیں ہے، ہر طرف افراتفری اور عجیب قسم کی بے حسی اور بے ہودگی نظر آتی ہے۔

سڑک پر موجود ٹریفک دیکھ کر کوئی بھی شخص لوگوں کے ایک گروہ کے اجتماعی رویے کو سمجھ سکتا ہے — ان کی ایک ساتھ نقل وحرکت یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ کس طرح کی سوچ رکھتے ہیں، نہ صرف اپنے بارے میں بلکہ دیگر کے بارے میں بھی۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ: پیدل چلنے والوں کو زیبرا کراسنگ پر بھی کچلے جانے کا ڈر لگا رہتا ہے؛ سڑک پار کرتے ہوئے بوڑھے شخص کو آہستہ آہستہ چلنے کی وجہ سے بار بار ہارن بجا کر تیز چلنے کا اشارہ دیا جاتا ہے؛ اور رکشے اور موٹر سائیکلیں تو مہنگی گاڑیوں کے مالکان کے لیے رواں دواں ڈرائیونگ میں ایک رکاوٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جی ہاں، ایسا لگتا ہے کہ موٹر سائیکل سوار صرف ایمرجنسی کی صورت میں بریک لگانے کی قسم کھا بیٹھے ہیں۔ اگر کوئی جاننے والا پیدل یا اپنی گاڑی میں سڑک پار کر رہا ہے تب ہم اس کے ساتھ انتہائی احترام کا مظاہرہ کرتے ہیں پھر چاہے ایسا کرتے ہوئے ٹریفک اصولوں کو فراموش ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

اسے مختلف انداز میں دیکھتے ہیں۔ زندگی میں زیادہ سے زیادہ مادی فوائد حاصل کرنے کے

لیے ہم حد سے زیادہ رفتار پر چلتے ہیں، قانون توڑ دیتے ہیں، اور یوں ایک حادثہ پیش آتا ہے جو زندگی کو قائم ودائم رکھنے اور کامیابی کی جستجو میں ہمارا تعاقب کرتا رہتا ہے۔

ایک صاحب نے اپنا مشاہدہ لکھا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ایک ساتھ آزاد ہوئے۔ ہم سے زیادہ بڑا اور کثیر الثقافت ہونے کی وجہ سے ہندوستان کو ہم سے زیادہ مشکل مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندوستان میں مختلف زبانوں اور مختلف مذاہب کی ثقافتوں نے ثانوی حیثیت لے لی ہے اور باصلاحیت قیادت اور اپنے اندر اسٹاپ اینڈ ییلڈ ذہنیت کو پیدا کرنے کے ذریعے وہ صرف ایک قوم ہیں۔ ان کے لیڈران نے ایک اجتماعی وژن کے ساتھ تحرک پیدا کیا ہے۔ وہ اب ایک بافخر قوم ہیں، اور زندگی کے ہر شعبے میں اپنا لوہا منوا رہے ہیں۔

کراچی میں ایک بزرگ شہری سے بات کرتے ہوئے، جو کہ ہندوستان سے ہو کر آئے تھے، سے میں نے پوچھا کہ جہاں ہماری ترقی رفتار اس قدر کم ہے وہاں ہندوستانیوں نے کیسے اس قدر بڑے بڑے قدم اٹھا لیے ہیں، حالانکہ دونوں ملکوں میں ہی ایک جیسے مختلف زبانوں، مختلف ثقافتوں سے جڑے مسائل ہیں اور کرپشن بھی دونوں ملکوں میں زوروں پر ہے۔

ان بزرگ شہری کی بات کا خلاصہ کچھ یوں تھا کہ: ایک اوسط ہندوستانی کی فراخ دلانہ حب الوطنی۔ چاہے اس کا تعلق ہندوستان کے کسی بھی حصے سے ہو، وہ ہمیشہ اپنے ہم وطن کی جانب مدد کا ہاتھ بڑھانے کو تیار رہتا ہے۔ یہ بھی کہ اس کے طرز زندگی میں سادگی شامل ہے۔

کراچی میں موجود ایک ملٹی نیشنل بینک کے ایک سینیئر ایگزیکیٹو کے مطابق انڈونیشیا میں دو سال کی ڈیپوٹیشن کے بعد جب وہ پاکستان لوٹا تو انہوں نے محسوس کیا کہ جیسے وہ 17 کروڑ اناؤں کے درمیان پہنچ گئے ہوں۔

اسی طرح سے امریکا میں مقیم ایک پاکستانی دوست نے بتایا کہ، جب کبھی وہ پاکستان میں کسی سماجی تقریب میں شرکت کرتے ہیں تو وہاں جس کسی سے ملتے ہیں وہ ان کا بینک بیلنس جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ 'آپ کیا کرتے ہیں'، 'آپ کسے جانتے ہیں' اور 'آپ کہاں رہتے ہیں' جیسے چند سوالات

مالی حیثیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں، جس سے 'انٹرویو' لینے والا پھر فیصلہ کرتا ہے کہ آیا بندہ مزید گفتگو کیے جانے کے لائق ہے یا نہیں۔

یہ کہنا پڑے گا کہ: دیگر کے بارے میں ہمارے خیالات کا دارومدار مواقع پر ہے۔ جب ہم سوچتے ہیں کہ کوئی ہم سے سیاسی طور پر یا مالی طور پر زیادہ مضبوط ہے تو ہم اس کے آگے جھکنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمارے لیے رول ماڈل بن جاتا ہے۔ ایک بار اس شخص، جس کے آگے ہم جھکتے ہیں، کے برابر سماجی درجہ حاصل کر لینے کے بعد ہم خود سے کمزور افراد کو حقارت سے دیکھنے لگتے ہیں۔

ہمارے ملک میں روڈ شوز، بڑے بڑے دعوے کرتی تقاریر، اور ہمارے سرکاری افسران کے فضول خرچی سے بھرپور بیرون ملک دوروں کی وجہ سے بیرون ملک سرمایہ کاریاں نہیں آئیں گی۔

اگر ہم ذمہ دارانہ اجتماعی رویہ پیش نہیں کر سکتے، چاہے وہ سڑک پر ہو یا اقتداری راہداریوں میں، تب تک کوئی بھی نہ ہمارے بارے میں جاننا چاہے گا اور نہ ہی ساتھ کام کرنا چاہے گا۔

پاکستان اسٹریٹجک اعتبار سے اہم خطے میں واقع ہے اور بے شمار قدرتی اور انسانی وسائل سے مالا مال رہا ہے۔ ہر کوئی ان میں سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے مگر صرف اس امید پر کوئی مسلسل ہمارے ساتھ معاملات جاری نہیں رکھے گا کہ آگے چل کر ہم اپنے اندر بہتری لائیں گے۔

ہمیں سیکھنے کی ضرورت ہے کہ کب رُکنا اور راستہ دینا ہے۔ اور اگر ہم کامیاب قوموں سے سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان قربانیوں کو بھی زیرِ غور لانا ہوگا جو انہوں نے دی ہیں۔

ہمیں ایک بار پھر پرعزم ہو کر ایک کورے کاغذ سے، نئے سرے سے شروعات کرنی ہوگی۔

اگر آپ کسی معاشرے میں یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہاں کے لوگ کس قدر انسانیت کی اعلیٰ صفات سے متصف اور کس درجہ مہذب ہیں تو وہاں یہ چیز دیکھیں کہ وہ معاشرتی زندگی پر مبنی فلاحی قوانین کے کتنے پابند ہیں۔ پھر وہ قوانین ٹریفک سے متعلق ہوں یا کوئی اور ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹریفک قوانین کی پابندی سے پورے معاشرے کا فائدہ ہے۔ اس لیے کسی بھی معاشرے میں ٹریفک قوانین اس لیے بنائے جاتے ہیں تاکہ تمام لوگوں کو ضررِ ظلم سے بچایا جا سکے۔ اس لیے ٹریفک قوانین کی

پابندی ہر شہری کی ذمہ داری ہے۔

بلاشبہ انسان کی زندگی سب سے زیادہ اہمیت کی حامل نعمت و دولت ہے اور ہر انسان کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے۔ ٹریفک قوانین کی پابندی سے اپنی قیمتی جان بھی بچ سکتی ہے اور دوسروں کی بھی۔ اور ایک انسان کی جان بچانا پوری انسانیت بچانے کے مترادف ہے۔

ہمارے معاشرے میں جن چند معاملات کی وجہ سے پورا معاشرہ شدید مشکلات اور پریشانیوں سے دوچار ہوتا ہے، ان میں ایک اہم ترین معاملہ یہی ٹریفک کا درہم برہم طرز عمل ہے۔ اور یہ بدنظمی اس وقت پوری قوم کے لیے دردِ سر بنی ہوئی ہے۔

اسلام ایک دینِ کامل ہونے کی حیثیت سے جہاں زندگی کے تمام معاملات کے متعلق رہنمائی کرتا ہے، وہیں گذرگاہوں اور سڑکوں پر نقل و حمل اور آمد و رفت کے متعلق مفصل احکام و رہنمائی بھی دیتا ہے۔ چوں کہ ٹریفک قوانین معاشرے کے جائز انتظامی قوانین کا حصہ ہیں جو عوام کی فلاح و بہبود پر مبنی ہیں۔ ایسے قوانین میں رعایا کو شریعت نے تاکید کے ساتھ پابندی کا حکم دیا ہے۔ چناں چہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث جن سے راستوں کے متعلق رہنمائی ملتی ہے؛ کا مختصر خاکہ پیش خدمت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پوری روئے زمین میرے لیے مسجد ہے، سوائے سات جگہوں کے، ان میں سے ایک گذرنے کا راستہ ہے'' (جامع ترمذی)

مزید فرمایا: ''خبردار! راستوں (کے درمیان) میں بیٹھنے سے بچو''، اور یہ بھی فرمایا: ''راستوں میں مت بیٹھو، اگر راستوں میں بیٹھنا پڑے تو پھر تم راستوں کا حق بھی ادا کرو''۔ عرض کیا گیا: راستوں کا حق کیا ہے؟ فرمایا: ''گذرنے والوں کو تکلیف نہ ہو'' (متفق علیہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ایمان کا ایک شعبہ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا ہے'' (مسند احمد)۔

احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ راستوں کا غلط استعمال یقیناً اخلاقی و قانونی جرم ہی نہیں

بلکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے گناہ بھی ہے۔

افسوس کہ آج ہمارے معاشرے میں راستوں کا بہت زیادہ غلط استعمال ہو رہا ہے۔اس وجہ سے پورا معاشرہ بے شمار مشکلات اور بہت نقصانات سے دوچار ہے۔آئے دن ٹریفک جام کی وجہ سے شہر وقصبہ جات کے لوگ پریشان رہتے ہیں،ٹریفک جام میں سواریوں کے لیے جہاں دھوپ یا یخ بستہ سردی دردِ سر بنی ہوتی ہے، وہیں اس ٹریفک جام کی وجہ سے مریض، ڈاکٹر، ملازمین، اساتذہ، طلبہ، مزدور مستری اور مسافر کبھی بھی اپنے کام، ڈیوٹی اور منزلِ مقصود تک وقتِ مقررہ پر نہیں پہنچ پاتے اور اس کا خمیازہ پورے معاشرے ہی نہیں بلکہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

راستوں کے غلط استعمال کی چند مشاہداتی شکلیں جو روزانہ دیکھنی کو ملتی ہیں، وہ کچھ اس طرح ہیں:-

(۱) کچھ لوگ جلد بازی میں دوسرے سے سبقت لینے میں اپنی گاڑیوں کو غلط طریقے سے دوسری گاڑیوں کے درمیان لے آتے ہیں۔اس جلد بازی سے حادثات بھی رونما ہوتے رہتے ہیں (بعض لوگ خود غلطی کر کے اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے الٹا دوسروں کو قصوروار ٹھہراتے ہیں)۔یہ ایسا ناقابلِ دید منظر ہوتا ہے جس سے دھونس،لڑائی، مار پیٹ اور گالم گلوچ تک نوبت آتی ہے۔حالاں کہ قرآن پاک میں ایک اچھے انسان کی صفت اس طرح بیان ہوئی ہے: (ترجمہ) ''اگر ناسمجھ لوگ ان سے الجھنے کی کوشش کریں گے تو وہ سلامتی کی بات کہہ کر گذر جاتے ہیں'' (الفرقان،؟؟)۔

(۲) عام طور پر جب ٹریفک سگنل اور چوراہوں کے سامنے گاڑیاں رکتی ہیں تو کچھ لوگ وہاں بھی دوسروں سے سبقت لینے کے چکر میں اپنی گاڑی مخالف سمت کے راستے میں روک دیتے ہیں۔اس سے مخالف سمت کا پورا ٹریفک (آمد و رفت) جام ہو جاتا ہے اور پھر گھنٹوں درست نہیں ہوتا۔

(۳) کچھ بے فکرا اپنی گاڑیوں کو ایسے مقامات پر کھڑا کر کے اپنے دوسرے کام میں مشغول ہو جاتے ہیں، جہاں ان کی وہ گاڑیاں سینکڑوں گاڑیوں کے گذرنے کے لیے رکاوٹ بن جاتی ہیں۔

(۴) بعض دکان دار اپنی دکانوں کا بیش تر سامان نمائش کے لیے سڑکوں اور فٹ پاتھوں (foot paths) پر سجاتے ہیں اور وہ سامان پیدل چلنے والوں کے لیے رکاوٹ اور دشواری پیدا کرتا ہے، بل کہ اس سے پیدل چلنے والے فٹ پاتھ پر چلنے کی بجائے گاڑیوں کی سڑک پر چلنا شروع کرتے ہیں، اس سے گاڑی چلانے والوں کو دشواری تو ہوتی ہی ہے، ساتھ میں حادثے کے خطرات کا بھی قوی امکان رہتا ہے۔

(۵) شادی بیاہ اور جلسوں کی تقریبات کا انعقاد کرنے والے اپنی تقریبات کے لیے گذر گاہوں، راستوں اور سڑکوں کو بند کر دیتے ہیں۔ اس سے راہ گیروں اور مسافروں کو بہت پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں۔ اپنی تقریبات کے لیے عوام کو اس طرح تکلیف پہنچانا نہایت مذموم عمل ہے اور یہ بڑا ظلم ہے۔ یہ طرز عمل دین کے بھی خلاف ہے اور انسانی اقدار کے بھی منافی ہے۔

(۶) عموماً دیکھا جاتا ہے کہ گھروں، مکانوں، دکانوں اور بلڈنگوں کی مرمت یا تعمیر کرنے والے تعمیراتی سامان (اینٹ، پتھر، ریت، لوہا وغیرہ) سڑکوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس سے راستہ تنگ ہو جاتا ہے اور گذرنے والوں کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۷) کچھ لوگ مال بیچنے کے لیے ٹھیلیاں لگاتے ہیں، اس سے راستے تنگ ہو جاتے ہیں اور راہ گیروں و مسافروں کو دشواری ہوتی ہے۔ یہ سڑک کا ناجائز استعمال ہے، بل کہ ان ٹھیلی والوں سے کوئی چیز خریدنا گویا انہیں اس مذموم عمل میں تعاون و تائید کرنے کے مترادف ہے۔

(۸) مسافر گاڑیاں (بس، ٹیکسی، آٹو) چلانے والے سواریوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد لینے کی لالچ میں سڑکوں کے درمیان اپنی گاڑیاں روکتے ہیں، نتیجتاً پیچھے آنے والی تمام گاڑیوں کی آمد و رفت رک جاتی ہے، پھر سب کو ٹریفک جام اور کئی دوسری پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۹) کشادہ سڑکوں پر کم رفتار والی گاڑیوں (ٹرک، بس وغیرہ) کے ڈرائیور تیز رفتار گاڑیوں کو آگے نکلنے کے لیے راستہ چھوڑ کر نہیں رکھتے اور نہ ہی ان کو آگے جانے کے لیے جلدی راستہ دیتے ہیں۔

اسی طرح کچھ ڈرائیور بلاضرورت ہارن بجاتے ہیں، اس سے بعض اوقات حادثہ بھی پیش آتا ہے۔ یہ کچھ نازک مزاج افراد اور لطیف طبیعت حضرات کے لیے ذہنی اذیت کا سبب بھی ہوتا ہے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے گذرگاہوں، راستوں پر چلتے ہوئے گھنٹہ بجانے سے منع فرمایا ہے اور اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے (خیال رہے جاپان اور کئی مغربی ممالک میں گاڑیوں کے ہارن بجانے ہر سخت پابندی ہے اور اس پر سزائیں مقرر ہیں)۔ اسی طرح کچھ ڈرائیور رات کو ڈپّر کا استعمال نہیں کرتے، اس سے مخالف سمت سے آنے والے ڈرائیور کی آنکھوں میں تیز روشنی پڑتی ہے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس سے حادثہ پیش آنے کا قوی امکان رہتا ہے۔

غرض یہ وہ چند بڑے امور ہیں جن کی وجہ سے ہمارا ٹریفک نظام ظلم وضرر رسانی کا سبب بنا رہتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ پوری قوم ٹریفک کے اصول وضوابط پر عمل کرنے کا مزاج اپنائے اور اس نظام کو لاحق خلاف ورزیوں سے نجات دلانے کے لیے ہم فرداً فرداً اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھیں۔ جو ان قوانین کی پابندی کرے وہ واقعی اچھے مسلمان ہونے کا بہترین مصداق ہے۔

نیز راستہ چلتے ہوئے مزاج میں تحمل و برداشت ہو، رویہ معتدل ہو، راہ گیروں سے رعایت اور ایثار کا معاملہ ہو، اگر کسی دوسرے کی طرف سے نامناسب رویّہ پیش آئے تو عفو و درگذر کا ردّعمل اپنائیں نہ کہ جوابی تُرش روئی کا۔

جان، مال عزت اور وقت انسان کا قیمتی سرمایہ ہے، ان کی حفاظت ایک شرعی فریضہ ہے اور اس کے لیے قوانین کی اطاعت کا ہم نے عہد کیا ہے، جو کہ اُحکامِ شریعت سے متصادم نہیں۔ کیونکہ ٹریفک کے اصول وضوابط معاشرے کے ایسے جائز انتظامی قوانین کا حصہ ہیں جو عوام کی فلاح و بہبود پر مبنی ہیں اور ایسے قوانین میں رعایا کو شریعت نے تاکید کے ساتھ پابندی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی جان کا بھی تحفظ کریں اور پابند زندگی گزاریں۔

مجالس

سید الطائفہ قطب العالم قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

عصر کی نماز کے بعد حضرت والاؒ کی خدمت میں عریضے رائے پور اور سہارنپور سے آئے ہوئے عرض کیے گئے۔ مغرب کے بعد مولانا عبدالوہاب خان صاحب کے بھائی سے دوران گفتگو حضرت والاؒ نے فرمایا کہ تصوف کا مقصد یقین کا حصول ہے باقی علوم ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ صحیح ہوتے ہیں یا خیالات یعنی مکاشفات ہونے لگتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ جدید فلسفہ قدیم سے زیادہ نازک، دقیق اور ترقی یافتہ ہے نیز واقعات سے زیادہ متعلق ہے کیونکہ علوم طبعیہ میں جو ترقی ہوتی ہے وہ اس کے ارتقاء کا باعث ہوگئی ہے۔ رہے صوفیاء کے کشفی علوم ان کے متعلق میرا خیال ہے کہ جیسے خیالات تعلیم و تعلم یا اور کسی اثر ماحول وغیرہ سے ہوجاتے ہیں ان کے رنگ میں مکاشفات ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عربیؒ کو وہی باتیں کشف میں محسوس ہوئیں جو فلاسفرانِ یونان نے کی ہیں۔ جتنے ستارے انہوں نے بیان کے ہیں ان سے زائد ایک ستارہ بھی ان کو نظر نہیں آیا۔ اور آسمان میں بھی یہیں حال ہے۔ اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ انسان کے جو عقائد ہوتے ہیں تصوف ان کے رنگ کو جما دیتا ہے ان میں یقین پیدا کر دیتا ہے۔ خود کوئی علوم نہیں دیتا۔ حضرت والاؒ نے اس خیال کی تصویب فرمائی کہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ تصوف سے پہلے عقائد صحیحہ کا علم اور دین کے عقائد حقہ کی تعلیم حاصل کر لینا ضروری ہے کیونکہ تصوف یقین محکم کا ذریعہ ہے۔ باقی مکاشفات نہ ہوتو مقبول اور دونوں شقوں سے خارج ہوں تو محمود کہلا سکتے ہیں۔

ایک سید صاحب جو منشی فاضل اور پبلک لائبریری رامپور سٹیٹ لائبریرین بھی رہ چکے ہیں اب یہاں کے ایک کالج میں اُردو کے استاد ہیں۔ ان کے عرض کرنے پر حضرت والاؒ نے اپنے مخصوص رنگ میں ایک مفصل اور بہت دلنشین تقریر فرمائی۔ فرمایا کہ اب مسلمانوں کو بجائے دوسروں کی غلطیوں

اورزیادتیوں کا ماتم کرنے اور شکوہ کرنے کے اپنی غلطیوں کو ٹٹولنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ موجودہ ناخوشگوار حالات ان کی اپنی غلطیوں کا نتیجہ اور خمیازہ ہیں۔ وہ غلطی یہی ہے کہ ہم نے اسلام کو لائحہ عمل زندگی بنانے اور اسلام کو جدید حالات میں کام میں لانے میں کوتاہی کی ہے اس لیے اب اگر چاہتے ہیں کہ یہ حالات بدل جائیں تو دعا اور عمل سے خدا کی طرف رجوع کریں۔ اخلاق درست کریں۔ اگر ایسا کرلیا تو اجتماعی مشکلات بالکل رفع ہوجائیں گی حقیقتاً یہ جو خلاف طبع حالات روز بروز پیش آرہے ہیں۔ اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت ہیں اگر ہم نیک ہوجائیں تو حالات بھی موافق ہوجائیں گے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ دوسروں کا گلہ ایک فریب ہے۔ جو سچی توبہ اور صحیح جائزہ سے محروم رکھتا ہے۔ اس لیے اس کو دل سے نکال دیجیے اور نیک بن جایئے پھر اللہ تعالیٰ کو جس راستہ سے منظور ہوگا حالات کو بدل دے گا۔

خواہ ہندو قوم کی اکثریت کو اسلام کی توفیق دیدے یا اور کوئی راستہ پیدا فرمادے کیونکہ اس کا پیدا ہونا ان عملوں کے مناسب حال ہوگا۔ آپ کے عملوں سے تو اتنا ہوگا کہ حالات آپ کے موافق ہوجائیں گے اور صورت اس کی وہ ہوگی جو گردوپیش کے حالات کے مناسب ہوگی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ انانیت کو مٹا ڈالیں دیکھو بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے کفار کے ہاتھوں برباد کرایا کہ ان میں تکبر تھا اور ان کے برباد کرنے والے غیر مسلموں کو اپنے بندے قرار دیا اور اس دوران کے ان مسلمانوں کو مغضوب قرار دیا اس میں یہ بھی ہے کہ موجودہ حکومت ہم پر جو احسان کر رہی ہے اس کا شکریہ بھی ادا کیا جائے احسان بھی مانا جائے یہ نہ ہو کہ وہ دس احسان کرتی رہے اور ہم ایک زیادتی لے کر گاتے پھریں کہ حکومت نے یہ ظلم کردیا اور دس احسان فراموش کردو۔ ایسا کرنا بھی خدا کی ناشکری ہے اور اخلاقی خرابی کا سبب ہے۔ اس تمام مضمون کو حضرت اقدسؒ نے تقریباً ایک گھنٹے میں نہایت اطمینان سے واضح آیات قرآنی، احادیث نبوی ﷺ سے اقوال بزرگان دین اور دلائل حکیمانہ سے معتبرین اور مدلل بیان فرمایا۔

گوشۂ نفیس

مجلس حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہ

[۱۰ر ذوالحج ۱۴۱۵ھ ۱۰ر مئی ۱۹۹۵ بروز بدھ]

بعد نماز عصر نیچے کی بیٹھک میں حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ مولانا محمد انوریؒ کے صاحبزادے مولانا ایوب الرحمٰن انوری صاحب فیصل آباد سے تشریف لائے ہوئے تھے اُن سے تعارف ہوا۔ مولانا موصوف نے اپنے والد محترم کے متعلق بہت سی باتیں بتلائیں۔

فرمایا: میرے والد حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ دونوں کے خلیفہ تھے۔ آپ کو حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ سے غایت درجہ تعلق تھا۔ مَیں نے عرض کیا کہ وہ فنافی الشیخ ہوں گے؟

فرمایا: اس سے بھی آگے تھے اُسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت جب مشہور مقدمہ بہاولپور میں تشریف لائے ہیں اُس وقت میرے والد محترم حضرت کے رفیقِ کار کے طور پر شریک تھے۔ حوالے نکالنا اور لکھنا پڑھنا میرے والد ہی کے ذمہ تھا۔ اسی سفر میں حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے میرے والد کو خلافت عطا کی تھی۔

علامہ انور شاہ صاحبؒ میں اخفاء بہت تھا:

فرمایا: حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ میں اِخفاء بہت تھا۔ اکثر لوگ اُنہیں بحیثیت عالم ہی کے جانتے ہیں حالانکہ آپ صوفی بھی تھے، حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے، علم کا آپ پر غلبہ تھا۔ بیعت بہت کم فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب بیعت ہونے کیلئے آئے تو فرمایا مسئلہ پوچھنا ہے تو مَیں بتائے دیتا ہوں اور اگر بیعت ہونا ہے تو رائے پور حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی خدمت میں جاؤ۔

www.milliafsd.com

فرمایا: جب حضرت کشمیریؒ کا وصال ہوا تو میرے والد کی حالت غیر ہوگئی ہر وقت سراسیمہ و پریشان رہنے لگے۔

ایک دفعہ خواب میں حضرت کی زیارت ہوئی، فرمایا: ہمارے بعد شاہ عبدالقار صاحبؒ سے تعلق قائم کرو، اُدھر حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے خواب دیکھا کہ حضرت علامہ کشمیریؒ فرمارہے ہیں کہ محمد انوری کو اپنے سلسلہ میں داخل کرلو چنانچہ آپ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔

فرمایا حضرت رائے پوریؒ کا انتقال حاجی عبدالمتین صاحبؒ کی کوٹھی میں ہوا ہے۔ یہ کوٹھی شملہ پہاڑی کے پاس ہے۔ اَخیر دور میں آپ کا قیام وہیں رہا کرتا تھا۔

فرمایا: مَیں حضرت کے وصال کے بعد وہاں گیا ہوں، وہی روحانیت محسوس ہوتی تھی۔ اب بھی جی چاہتا ہے کہ وہ جگہ جا کر دیکھوں کچھ وقت وہاں گزاروں وہاں انوارات محسوس ہوتے ہیں۔

بزرگوں کے انوارات قائم رہتے ہیں:

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر فرمایا کہ بزرگوں کے انوارات قائم رہتے ہیں ختم نہیں ہوتے، چنانچہ دہلی میں ایک جگہ گوالوں کا ڈیرہ ہے وہاں گوہ موت سے جگہ بھری ہوئی ہے کچھ اللہ والے وہاں گئے تو اُنھیں وہاں انوارات محسوس ہوئے۔ وہ حیران تھے کہ ایسی جگہ میں انوارات؟ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہاں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ درسِ حدیث دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی باتیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ مغرب کا وقت ہوگیا اور یوں یہ مجلس برخاست ہوئی۔

[ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت توجہ کیا ہوتی؟ فرمایا: ذکر اذکار کی کثرت اور مجاہدے کے ساتھ یہ استعداد آدمی میں پیدا ہوجاتی ہے کہ دوسرے پر روحانی طور پر اثر ڈال سکتا ہے اسے توجہ کہتے ہیں۔ فرمایا: شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا میں اگر کسی پر ایک میل دور بیٹھ کر توجہ ڈالتا ہوں تو اس پر حال طاری ہوجاتا ہے۔]

اسلام میں عقائد کی حقیقت واہمیت

حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ

ماخوذ از عقائد اسلام، مولانا طاہر قاسمی صاحبؒ

اسلام میں جس حقیقت کو ''عقائد'' کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ درحقیقت چند ذہنی اصول ومبادی ہیں جو جماعت کا کریڈ اور تمام انسانی افکار وخیالات کی بنیاد واساس ہیں، انسان کے تمام افعال، اعمال اور حرکات اسی محور کے گرد چکر لگاتے ہیں، یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے اور اس کے دائرۂ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے؛ کیونکہ ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادے کے تابع ہیں، ہمارے ارادہ کا محرک، ہمارے خیالات اور جذبات ہیں اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہمارے اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں، عام بول چال میں انہی چیزوں کی تعبیر ہم ''دل'' کے لفظ سے کرتے ہیں، اسلام کے معلم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے، فرمایا:

"الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب"

ترجمہ: انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا، ہاں وہ ٹکڑا ''دل'' ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان)

قرآن پاک نے دل (قلب) کی تین حالتیں بیان کی ہیں، سب سے پہلے "قَلْبٌ اَثِیْمٌ" (گنہگار دل) یہ وہ دل ہے جو ہمیشہ گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے اور دوسرا "قَلْبٌ سَلِیْمٌ" (صحیح دل)، تیسرا "قَلْبٌ مُنِیْبٌ" (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھٹکتا اور بے راہ بھی ہوتا ہے تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

غرض یہ سب رنگینیاں اسی ایک بے رنگ ہستی کی ہیں جس کا نام ''دل'' ہے، ہمارے تمام اعمال کا محرک ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے، اسی بھاپ کی طاقت سے اس مشین کا ہر پرزہ چلتا

www.milliafsd.com

اورحرکت کرتا ہے،اسی لیے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:انما الاعمال بالنیات (تمام کاموں کا مدارنیت پر ہے) اسی مطلب کودوسرے الفاظ میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یوں ادافرمایا:"انما لامرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی دنیایصیبھا او الی امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ" (ہرشخص کے کام کاثمرہ وہی ہے جس کی وہ نیت کرے تو جس کی ہجرت کی غرض دنیا کا حصول یاکسی عورت سے نکاح کرنا ہو،اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی (یعنی اس سے اس کوثواب حاصل نہ ہوگا) (صحیح بخاری)

آج کل علمِ نفسیات نے بھی اس مسئلہ کو بداہۃً ثابت کردیا ہے کہ انسان کی عملی اصلاح کے لیے اس کی قلبی اوردماغی اصلاح مقدّم ہے اورانسان کے دل اورارادہ پراگرکوئی چیز حکمراں ہے تووہ اس کا عقیدہ ہے،صحیح اورصالح عمل کے لیے ضروری یہ ہے کہ چندصحیح اصول ومقدمات کا ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیرمشکوک یقین اورغیرمتزلزل عقیدہ بن جائیں اوراسی صحیح یقین اورمستحکم عقیدہ کے تحت ہم اپنے تمام کام سرانجام دیں،جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصول موضوعہ اور اصول متعارفہ کے مانے بغیرنہ بن سکتی ہے،نہ ثابت ہوسکتی ہے،اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح اوردرست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے لیے بھی چندمبادی اور چند اصول موضوعہ ہم پہلے تسلیم نہ کرلیں جن کو ہم ''عقیدہ'' کہتے ہیں۔

ہمیں بظاہرعقل ہمارے ہرکام کے لیے رہنما نظرآتی ہے لیکن غورسے دیکھئے کہ ہماری عقل بھی آزادنہیں،وہ ہمارے دلی یقین،رجحانات اوراندرونی جذبات کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے،اسی لیے اس پابۂ زنجیرعقل کے ذریعے ہم اپنے دلی خیالات،ذہنی رجحانات اوراندرونی جذبات پرقابونہیں پاسکتے،اگرپاسکتے ہیں تواپنے صحیح،دلی یقینیات اور چندمضبوط دماغی وذہنی تصورات کے ذریعہ،یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے ''ایمان'' کاذکرہمیشہ عمل صالح کے ذکرسے پہلے لازمی طورسے کیا ہے اورایمان کے بغیرکسی عمل کوقبول کے قابل نہیں سمجھا کہ ایمان کے عدم سے دل کے ارادہ اورخصوصاً اس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہوجاتا ہے جس پرحسن عمل کادارومدار ہے۔

عبداللہ بن جدعان ایک قریشی تھا جس نے جاہلیت میں بہت سے نیک کام کیے تھے لیکن بایں ہمہ مشرک تھا،اس کی نسبت آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ ''یا

رسول اللہ! عبداللہ بن جدعان نے جاہلیت میں جو نیکی کے کام کیے، کیا ان کا ثواب ان کو ملے گا؟ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: نہیں، اے عائشہ! کیونکہ کسی دن اس نے یہ نہیں کہا کہ یا الٰہی! میرے گناہوں کو قیامت میں بخش دے۔

(ابن ابی شیبہ، غزوات نسخہ قلمی، دارالمصنفین وابن حنبل، ج ۶ ص ۴۹، مصر)

جنگ بدر کے موقعہ پر ایک مشرک نے جس کی بہادری کی دھوم تھی حاضر ہو کر کہا: اے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم! میں بھی تمہاری طرف سے لڑنے کے لیے چلنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا، نہیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: واپس جاؤ، میں اہل شرک سے مدد کا خواستگار نہیں۔ دوسری مرتبہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی درخواست پیش کی، مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی اس درخواست سے بڑی خوشی ہوئی اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ ان کی فوج میں شریک ہو جائے لیکن آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ہے؟ اس نے پھر نفی میں جواب دیا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پھر وہی فرمایا کہ: میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا۔ غالباً مسلمانوں کی تعداد کی کمی اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپ کی بے نیازی کی اس کیفیت نے اس کے دل پر اثر کیا۔ تیسری دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی اور آپ نے فرمایا کہ تم کو خدا اور رسول پر ایمان ہے؟ تو اس نے اثبات میں جواب دیا تو اسلامی فوج میں ایک مجاہد کی حیثیت اس کو داخل ہونے کی اجازت ملی۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ جماعت میں داخل ہونے کے لیے اس کے کریڈ اور عقیدہ کو تسلیم کرنا اس جماعت کی مضبوطی کی سب سے پہلی شناخت ہے۔

(صحیح مسلم، باب غزوات، ج ۲ ص ۱۰۶، مصر)

غرض اسلام کے نقطۂ نگاہ سے بھی ایمان ہی ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے، وہ ہماری سیرابی کا اصل سرچشمہ ہے جس کے فقدان سے ہمارے کاموں میں حقیقت سراب سے زیادہ نہیں رہتی کیونکہ وہ دیکھنے میں تو کام معلوم ہوتے ہیں مگر روحانی اثر، فائدہ سے خالی اور بے نتیجہ ہوتے ہیں، خدا اقرار کے وجود کا انکار اور اس کی رضامندی کا حصول ہمارے اعمال کی غرض وغایت ہے، یہ نہ ہو تو ہمارے تمام اعمال بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہ جائیں، وہ ہمارے دل کا

نور ہے، وہ نہ ہو تو پوری زندگی تاریک نظر آئے اور ہمارے تمام کاموں کی بنیاد ریا، نمائش، جاہ پسندی، خودغرضی اور شہرت طلبی وغیرہ کے دلی جذبات اور پست محرکات کے سوا کچھ اور نہ رہ جائے۔

ایمان کے اجزاء:

اسلام نے چونکہ علم و عمل، تصور اور فعل عقلیت اور عملیت میں لزوم ثابت کیا ہے اور عقائد کی راہ سے بھی اصل زور انسان کی عملیت پر صرف کیا ہے، اس لیے اس نے عقائد کے اتنے ہی حصہ کا یقین و اقرار ضروری قرار دیا ہے جو عمل کی بنیاد اور اخلاق و عبادات کی اساس قرار پا سکے اور دل کی اصلاح و تزکیہ میں کام آسکے اور اسی لیے اس نے عقائد کی فلسفیانہ الجھنیں اور تصورات و نظریات کی تشریح و تفصیل کر کے عملیت کو برباد نہیں کیا۔ چند سیدھے سادھے اصول ہیں جو تمام ذہنی سچائیوں اور واقعی حقیقتوں کا جوہر اور خلاصہ ہیں اور ان ہی یقین کرنے کا نام "ایمان" ہے، نہایت صریح الفاظ میں اس ایمان کے صرف پانچ اصول تلقین کیے، خدا پر ایمان، خدا کے فرشتوں پر ایمان، خدا کے رسولوں پر ایمان، خدا کی کتابوں پر ایمان اور اعمال کی جزاء اور سزا کے دن پر ایمان۔

اجزائے ایمانی کی حکمت:

اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس دنیا کا تنہا خالق و مالک ہے اور ہر ظاہر و باطن سے آگاہ ہے تا کہ وہی ہمارے تمام کاموں کا قبلہ مقصود قرار پا سکے اور اس کی رضا جوئی اور اس کی مرضی کی تعمیل ہمارے اعمال کی تنہا غرض و غایت ہو اور ہم جلوت کے سوا خلوت میں بھی گناہوں اور برائیوں سے بچ سکیں اور ہر نیکی کو اس لیے کریں اور ہر برائی سے اس لیے بچیں کہ یہی ہمارے خالق کا حکم اور یہی اس کی مرضی ہے، اسی طرح اعمال ناپاک اغراض و ناجائز خواہشوں سے مبرا ہو کر خالص ہو سکیں اور جس طرح ہمارے جسمانی اعضاء گناہوں سے پاک ہوں، ہمارا دل بھی ناپاک خیالات اور ہوا و ہوس کی آمیزش سے پاک ہو اور اس کے احکام اور اس کے پیغام کی سچائی پر دل سے ایسا یقین ہو کہ ہمارے ناپاک جذبات، ہمارے غلط استدلالات، ہماری گمراہ خواہشات بھی اس یقین میں شک اور تذبذب نہ پیدا کر سکیں۔

خدا کے رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے ان احکام، ہدایات اور اس کی مرضی کا علم ان ہی کے واسطے سے انسانوں تک پہنچا، اگر ان کی صداقت، سچائی اور راست بازی کو کوئی تسلیم نہ کریں تو پیغامِ ربانی اور احکامِ الٰہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک و مشتبہ ہو جائے اور انسانوں کے

سامنے نیکی، نزاہت اور معصومیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے جو انسانوں کے قوائے عمل کی تحریک کا باعث بن سکے، پھر اچھے اور برے، صحیح اور غلط کاموں کے درمیان ہماری عقل کے سوا جو ہمارے جذبات کی محکوم ہے کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کے لیے نہیں ہوگی۔

خدا کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا واجب ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں، مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں، مخلوقات کو قانونِ الٰہی کے مطابق چلاتے ہیں اور ہمارے اعمال وافعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم اور ہر لحظہ ''ریکارڈ'' کرتے جاتے ہیں تاکہ ہمیں ان کی جزاء یا سزا مل سکے۔

خدا کے احکام وہدایات جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچائے گئے ہیں ان کو دور دراز ملکوں اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لیے ضروری ہوا کہ وہ تحریری شکلوں میں یعنی کتابوں اور صحیفوں میں یا لفظ آواز سے مرکب ہوکر ہمارے سینوں میں محفوظ رہیں، اس لیے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اور جو کچھ ان میں ہے اس کی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ رسولوں کے بعد خدا کے احکام اور ہدایات کے جاننے کا ذریعہ مسدود ہوجائے اور ہمارے لیے نیکی اور بدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے جس پر تمام ادنیٰ واعلیٰ، جاہل اور عالم، بادشاہ اور رعایا سب متفق ہوسکیں۔

اعمال کی باز پرس اور جواب دہی کا یقین اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیا کے انسانیت سراپا درندگی اور بہیمیت بن جائے، یہی وہ عقیدہ ہے جو انسانوں کی جلوت وخلوت میں ان کی ذمہ داری محسوس کراتا ہے، اسی لیے روز جزاء اور یومِ آخرت پر ایمان رکھے بغیر انسانیت کی اصلاح وفلاح ناممکن ہے اور اسی لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے بلکہ مکی وحی کا بیشتر حصہ اسی کی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے، یہی پانچ باتیں اسلام کے ایمانیات کے اصل عناصر ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ پر، اس کے تمام رسولوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے فرشتوں پر اور روزِ جزاء پر ایمان لانا یہ عقائد خمسہ یکجا طور پر سورۂ بقرہ میں متعدد دفعہ کہیں مجمل اور کہیں مفصل بیان ہوئے ہیں۔

ایمان وعمل کا تلازم:

سچا ایمان اور حسنِ عمل درحقیقت لازم وملزوم ہیں، اگر کوئی کہے کہ ایک مومن بدکار ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو یہ سوال حقیقت میں خود تضاد کو مستلزم ہے، اس لیے احادیث میں آتا ہے کہ کوئی شخص مومن ہوکر بدکاری اور چوری نہیں کرسکتا، اگر کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان مسلوب ہوجاتا ہے اور یہ بالکل

واضح ہے کہ جب کوئی مومن برائی کرنا چاہتا ہے تو اس کے ایمان یعنی اصول اور جذبات فاسدہ کے درمیان کشمکش ہوتی ہے، تھوڑی دیر یہ جنگ قائم رہتی ہے، اگر ایمان اور اصول نے فتح پائی تو وہ اپنے کو بچالیتا ہے اور اگر جذبات غالب آتے ہیں تو ایمان اور اصول کا تخیل اس وقت دب کر اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے، اس بناء پر سچا مومن اور بدکردار ہو یہ ممکن ہی نہیں، اگر ہے تو حقیقت میں ایمان کامل ہی نہیں، یہاں بحث رسمی ایمان و مومن سے نہیں بلکہ اس ایمان سے ہے جس کے معنی غیر متزلزل یقین اور ناقابل شک اعتقاد کے ہیں، جہاں کہیں رسمی و ظاہری ایمان کے ساتھ برائی اور بدکاری کا وجود ہے، وہ درحقیقت ایمان کا نقص اور یقین کی کمی کے باعث ہے، عمل صالح کی کمی بھی ایمان ہی کی کمی کا نتیجہ ہے۔

ایمان کے بغیر کوئی عمل درست نہیں:

بہر حال عقلی فرض اور رسمی ایمان کے لحاظ سے یہ سوال یہ ہوسکتا ہے اور یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ایک بدکردار مومن اور ایک نیک اخلاص کافر و مشرک میں اگر پہلا نجات کا مستحق ہے اور دوسرا نہیں ہے تو ایسا کیوں؟ اس کا جواب شرعی اور عقلی دونوں حیثیتوں سے بالکل صاف ہے، اسلام نے نجات کا مدار ایمان اور عمل دونوں پر رکھا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ"

ترجمہ: بے شک کل انسان گھاٹے میں ہیں مگر وہ جو ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کیے ہیں۔

اس لیے کامل نجات کا مستحق وہی ہے جو مومن بھی ہے اور نیک کردار بھی ہے، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو خدا کفر و شرک کے گناہ کے سوا اپنے بندہ کا ہر گناہ چاہے تو معاف کرسکتا ہے، البتہ شرک و کفر کو معاف نہ فرمائے گا اور اس کی سزا ضرور دے گا۔

الغرض ایمان کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند اور صحیح تخیل پر قائم نہیں ہوسکتی، اسی لیے ریا، نمائش اور خودغرضی کے کاموں میں کوئی وقعت نہیں ہوتی، وہ کام جو گو بظاہر نیک ہوں لیکن کرنے والے کا ان سے اصل مقصود نام و نمود اور شہرت حاصل کرنا ہوتا ہے، اخلاقی نقطۂ نظر سے تمام دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی اور دنیا ان کو بے وقعت اور ہیچ سمجھتی ہے۔

خلافت راشدہ پر مختصر تبصرہ

خلافتِ راشدہ کا مفہوم: خلافتِ راشدہ ایسی جمہوری حکومت کو کہتے ہیں جس کی بنیاد مذہب پر ہو، اس بارے میں دین اسلام کا یہ حکم ہے کہ جب تک سربراہ مملکت قرآن وحدیث کی پوری پابندی کرتا رہے، اس کی اطاعت اور پابندی ضروری ہے بلکہ ایسے حکمران کی اطاعت فرض عین ہے، مگر جب وہ قرآن وحدیث کے خلاف حکم دے تو پھر اسے مسلمانوں کا خلیفہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ خلیفہ راشدہ وہی ہوتا ہے جسے مسلمانوں نے منتخب کیا ہو، وہ خود خلافت کا متمنی نہ ہو، وہ شریعت اسلامیہ پر پوری طرح شامل ہو، قرآن وحدیث کی تعلیمات سے باخبر ہو اور ہر جگہ اور ہر مقام پر قرآن وحدیث کے مطابق احکام جاری کرتا ہو، سرکاری خزانہ یعنی بیت المال کو اپنا مال نہ سمجھتا ہو بلکہ اپنی ذات پر ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرتا ہو، نیز خلافت کو موروثی خیال نہ کرتا ہو۔

خلافت راشدہ کا آغاز: دراصل آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد آغاز ہوا، پہلے چار خلفاء حضرت ابوبکر صدیق سے لے کر حضرت علیؓ تک خلفائے راشدہ کہلاتے ہیں، بعض علماء حضرت حسین کو بھی خلفائے راشدہ میں شمار کرتے ہیں چونکہ مذکورہ بالا خلفاء کی حکومت کا نظام شریعت اسلامیہ کے مطابق تھا یہی وجہ ہے کہ ہم اس مبارک عہد کو خلفائے راشدین کا عہد کہتے ہیں، یہ عہد تقریباً تیس سال کا زمانہ رہا ہے، یعنی ۱۱ ہجری سے ۴۰ ہجری تک کا زمانہ خلافت راشدہ کہلاتا ہے، کیونکہ اس عرصے کے بعد مسلمانوں کا خلافت میں بادشاہت کا سارنگ غالب آگیا، نیز خلیفہ اپنی خلافت کو موروثی خیال کرنے لگ گیا تھا اور سرکاری خزانے اپنا خزانہ سمجھتا تھا جس طرح چاہتا بیت المال کے روپیہ کو خرچ کرتا ،اس لیے حضرت علیؓ کے بعد آنے والے خلفاء کو خلفائے راشدین کا درجہ نہیں دیتے، بعض مؤرخین عمر بن عبدالعزیز کو بھی خلفائے راشدین میں شمار کرتے ہیں۔

خلفائے راشدین کے عہد حکومت کی خصوصیات: خلفاء راشدین کا دور تاریخ کا ایک سنہری باب ہے، مسلمان تو درکنار غیر مسلم مؤرخین نے بھی اس مبارک عہد کی تعریف کی، یورپین مؤرخوں کا قول ہے کہ خلفاء راشدین کا عہد حکومت دراصل نہایت شاندار زمانہ تھا، ان کا عہد دنیا بھر کی حکومتوں کے لیے مثالی نظم حکومت کا درجہ رکھتا ہے، اس عہد میں اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ خلفاء

راشدین نے سیاسی، انتظامی اور معاشرتی زندگی کے تمام شعبوں کو اچھی طرح اجاگر کیا، ایسی ہمہ گیر ترقی کی کہ ساری دنیا حیران رہ گئی، ایک جاہل اور غیر مہذب قوم دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئی اور دنیا کی بڑی طاقتیں ان سے تھرانے لگیں، اور ایران اور روم جیسی قدیم اور طاقت وحکومت کو پاش پاش کر دیا۔

خلفائے راشدین کے دور کی امتیازی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

خلیفہ کا مقام اور حیثیت: خلفائے راشدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور صحیح پیروکار تھے، ان میں ہر ایک خلق محمدی کا پیکر اور تعلیمات اسلامی کی مکمل تصویر تھا، سادگی اور تواضع، امانت ودیانت، عبادت وریاضت، شجاعت وخدمت ان سب کا شعار تھا، انہوں نے قرآن وحدیث کے مطابق حکومت کی، رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مکمل خاکہ اپنے عمل میں پیش کیا، ہر ایک نے رسول اللہ ﷺ کے صحیح جانشین ہونے کا حق ادا کر کے دکھلا دیا، تمام حقوق میں خلیفہ اور عام انسان برابر ہوتے تھے، خلیفہ کو بھی عام لوگوں کے برابر ہی وظیفہ ملتا تھا، خلیفہ وقت عام لوگوں کا آقا اور خادم بیک ہوتا تھا، ہر خلیفہ سید القوم خادمھم کے مصداق تھا، ہر خلیفہ کھانے پینے، کپڑا پہننے اور رہائش وغیرہ کے لحاظ سے عام انسانوں کی طرح رہتا تھا، کوی اجنبی آدمی عام آدمی اور خلیفہ میں کوئی فرق نہیں کر سکتا تھا، ہر آدمی جس وقت چاہتا خلیفہ سے مل سکتا تھا۔

خلیفہ کا انتخاب: تمام خلفاء کا انتخاب جمہوری طریق پر انجام پاتا، کسی خلیفہ نے خلافت کو موروثی قرار نہیں دیا نہ ہی کسی خلیفہ نے اپنے رشتہ دار یا اولاد کو خلافت کا امیدوار نامزد کیا، بلکہ ہر خلیفہ اہل الرائے حضرات کے مشورے سے منتخب ہوا، کسی خلیفہ نے خود کبھی خلافت حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔

مجلس شوری کا قیام: خلفائے راشدین نے اپنی امداد اور رہنمائی کے لیے کبار صحابہ کرام کی ایک مجلس قائم کی ہوئی تھی، جس کو مجلس شوریٰ کہتے تھے، خلیفہ تمام انتظامی امور میں اس مجلس کی رائے اور مشورہ سے چلتا تھا۔

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کی پیروی: خلفاء راشدین نے تمام انتظام حکومت بلکہ تمام کاموں میں قرآن وحدیث کو مدّ نظر رکھا، جس بات کا ثبوت قرآن وحدیث میں نہ ملتا اس میں اجتہاد سے کام لیا جاتا اور ہر بات میں کثرت رائے سے فیصلہ پاتا، ہر خلیفہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں مصلحت اور حکمت سمجھتا تھا، بلکہ آپ ﷺ کی پیروی کرنا فرض سمجھتا تھا، رات دن اشاعتِ اسلام میں کوشاں رہتا۔

عدل وانصاف: خلفائے راشدین کا دور عدل وانصاف کا اعلیٰ نمونہ تھا، ایسے انصاف پسند حکمران تاریخ میں تو کیا تواریخ عالم میں بھی نظر نہیں آتے، عدل وانصاف کے بارے میں امیر وغریب کی کوئی تمیز نہ تھی، حضرت عمرؓ نے حدود شرعی توڑنے پر اپنے بیٹے کو اتنی سزا دی کہ وہ جاں بحق ہوگیا، خلیفہ حج کے موقعہ پر ہر گوشہ سے آئے ہوئے لوگوں کی شکایات سنتا تھا، عوام کی جائز اشکالات پر عمال حکومت کو فوراً معزول کر دیا جاتا۔ کسی عام اور خاص پر کوئی ظلم روا نہیں رکھا جاتا تھا۔

مساوات: خلفائے راشدین کے دور میں تمام رعایا کو مساوی حقوق حاصل تھے، امیر وغریب، غلام وآقا، گورے کالے میں کوئی تمیز نہ تھی، غلاموں اور خادموں کو آقا اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے اور اپنے جیسا کپڑا پہناتے تھے، حضرت عمرؓ سفر کے دوران آدھا سفر خود سواری کرتے تھے اور آدھا غلام کو سوار کراتے تھے، بہر حال خلفائے راشدین کے عہد میں مساوات کا ایسا نمونہ تھا کہ خلیفہ اور غلام سب ایک جیسے نظر آتے تھے، سب کو کھانے پینے، رہنے سہنے اور اظہار خیال کرنے میں یکساں حقوق حاصل تھے، کسی کے ساتھ بھی ترجیحی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔

سادگی: اس عہد درجہ سادگی تھی، مسلمانوں کا خلیفہ عام لوگوں کی طرح کھاتا رہتا اور کپڑے پہنتا تھا، اجنبی آدمی ظاہری حالت کو دیکھ کر خلیفہ وقت اور عام آدمی میں تمیز نہیں کر سکتا تھا، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے ایسی سادگی کا نمونہ پیش کیا کہ لوگ سن کر حیران رہ جاتے ہیں، حضرت عمرؓ کے لباس پر بعض اوقات ستر ستر پیوند ہوتے تھے، دن کے وقت درختوں کے سایہ میں ہی آرام فرمالیا کرتے تھے، خلیفہ کا رہائشی مکان مسجد کے ساتھ چند چھوٹے چھوٹے حجروں پر مشتمل ہوتا تھا، جس پر کوئی دربان یا چوکیدار نہیں ہوتا تھا، مگر رعب اور دبدبہ اتنا تھا کہ بڑے بڑے جابر اور ظالم بھی نام سن کر ڈر جاتے تھے۔

خداخوفی اور پرہیزگاری: خلفائے راشدین کے دل خداخوفی اور اسلام پسندی سے معمور تھے، خودغرضی، ہوس پرستی اور حرص ولالچ نے ان کو چھوا تک نہ تھا، یہ تمام خلفاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب ترین صحابہ تھے، اس لیے عادات واخلاق میں اور پرہیزگاری میں بہت بلند تھے۔

ترقی اسلام: اس مبارک دور میں اسلام اپنے عروج پر تھا جو اسلام قرآن وحدیث میں تھا وہ پورے طور پر عہد خلفائے راشدین میں پایا جاتا تھا، کوئی کام شریعت اسلام کے خلاف نہیں ہوتا تھا، اشاعت اور تبلیغ کا کام پوری توجہ سے کیا جاتا تھا، بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے صحابہ قرآن وحدیث کی

تعلیم دیتے تھے، تمام عمال اسلامی تعلیمات کے ماہر ہوتے تھے، اس دور میں بہت سی مساجد اور درس گاہیں بھی تعمیر ہوئیں، تمام عوام اور خواص شرعی احکامات کی پوری پوری پابندی کرتے تھے، قرآن مجید کو کتابی شکل اسی مبارک دور میں دی گئی اور تمام ممالک محروسہ میں قرآنی نسخے لکھ لکھ کر بھیجے گئے، نومسلموں کی تربیت کا پورا پورا انتظام تھا۔

فتوحات: اس مبارک دور میں بہت وسیع فتوحات ہوئیں، ایران اور روم کی شاندار حکومتوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا، مسلمان جدھر بھی جاتے، فتح ونصرت ان کے قدم چومتی، سندھ سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلامی حکومت تھی، دنیا میں مسلمان حکومت سب سے بڑی طاقت شمار ہوتی تھی۔

بیت المال کا صحیح استعمال: بیت المال کا صحیح استعمال ہمیشہ خلفائے راشدین کے مطمح نظر رہا، بیت المال کو قوم کی امانت سمجھتے تھے، وہ اپنے لیے اس میں سے ایک پیسہ بھی نہ لیتے تھے، نہ ہی اس میں ناجائز آمدنی شامل کی جاتی تھی اور نہ ہی اس کا غلط استعمال کیا جاتا تھا، اپنے ذاتی عیش کے لیے خلیفہ نے بیت المال کو استعمال نہ کیا، جتنا جس کا وظیفہ ہوتا اسی کے بقدر وہ وصول کرتا تھا، خلیفہ کو بھی ایک آدمی کے برابر وظیفہ دیا جاتا تھا۔

ذمیوں اور غیر ذمیوں سے سلوک: خلفائے راشدین کا ذمیوں اور غیر ذمیوں کے ساتھ سلوک نہایت مشفقانہ تھا، ان کے حقوق بھی عام مسلمانوں کی طرح تھے، ان کے جان ومال، عزت وآبرو اور مذہب کی پوری حفاظت کی جاتی تھی، ان کو مذہبی معاملات میں مکمل آزادی تھی، ان کے مذہبی عبادت خانوں کا احترام کیا جاتا تھا، اقلیتی فرقے کے ساتھ جو سلوک خلفائے راشدین نے کر کے دکھلایا تاریخ اسلام اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، بہر حال ان کو بھی عام معاملات میں مساوی حقوق حاصل تھے۔

غرض خلفائے راشدین کا تیس سالہ دور حکومت تاریخ اسلام کا زریں عہد ہے جس کی مثال آج تک تاریک میں ڈھونڈھنے سے نہیں ملتی، اس دور میں لوگ خوشحال اور فارغ البال تھے، امن وامان اور سکون کی زندگی بسر کرتے تھے، اسی دور میں بہت سے رفاہ عامہ کے کام سرانجام دیئے گئے جس سے آج تک لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر **سب سے پہلا فتوائے تکفیر** تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

قومی اسمبلی پاکستان ۱۹۷۴ء میں قادیانی مسئلہ

پر بحث کی مصدقہ رپورٹ

قسط 78

جماعت احمدیہ کی طرف سے جواب: ''موجودہ الیکشن میں آپ کو مسلم لیگ کی حمایت کرنی چاہئے اور ممکن حد تک جو بھی تعاون اور امداد آپ کر سکتے ہیں کریں۔ موجودہ بحران میں مسلمانوں کو متحدہ محاذ کی ضرورت ہے۔ اگر ان کے اختلافات کو رہنے دیا گیا تو اس کے اثرات سو سال تک رہیں گے۔'')

جناب یحییٰ بختیار: یہ تو آپ جو میں دوسرا عرض کر رہا تھا ناں..... *Seperatists* کے متعلق اس کے بارے میں یہ ہو سکتا ہے۔

(چیئرمین کی رولنگ، مرزا ناصر نے سوال کا جواب نہیں دیا)

Mr. Chairman: *The question of the Attorney- General is unanswered.*

(جناب چیئرمین: اٹارنی جنرل کے سوال کا جواب نہیں دیا گیا)

Mr. Yahya Bakhtiar: *Beg your pardon?*

Mr. Chairman: *Your question has not been answered.*

(جناب چیئرمین: آپ کے سوال کا جواب نہیں دیا گیا)

Mr. Yahya Bakhtiar: *That's why I said that relates to a different subject.*

(جناب یحییٰ بختیار: میں نے کہا اس (سوال) کا تعلق دوسرے موضوع سے ہے)

Mr. Chairman: *No, the question has not been answered as yet.*

(جناب چیئرمین: نہیں، سوال کا جواب ابھی تک نہیں دیا گیا[1])

[1] سوال تھا کہ آزادی کی جدوجہد کے لئے کسی مرحلہ پر ڈائریکٹ ایکشن ہو سکتا ہے۔ مرزا ناصر نے جواب دیا کہ قادیانی جماعت نے لیگ کے امیدوار کو ووٹ دیئے۔ سوال گندم جواب چنا!

www.milliafsd.com

Mr. Yahya Bakhtiar: That's why I am repeating that. کہ constitutional struggle becomes impossible and Muslims particularly find that they cannot achieve their independence in thir own country and they adopt methods other than constitutional in order to obtain independence.

(جناب یحییٰ بختیار: میں اسے دوہرا رہا ہوں۔ اگر آئینی کوششیں ناممکن ہو جائیں اور مسلمان یہ سمجھیں کہ وہ آئینی ذرائع کے علاوہ دوسرے ذرائع اختیار کئے بغیر اپنے ملک میں آزادی حاصل نہیں کر سکتے)

مرزا ناصر احمد: یعنی قانون شکنی کرتے ہیں۔ جانیں لیتے ہیں۔ لوٹتے ہیں۔

جناب یحییٰ بختیار: جانیں لینے کا میں نے نہیں کہا۔

مرزا ناصر احمد: نہیں، میں ویسے وضاحت چاہ رہا ہوں۔ میں نے یہ نہیں کہا.....

جناب یحییٰ بختیار: میں نے *Unconstitutional* (غیر آئینی) کہا۔ اس کی مثال میں یہی دیتا ہوں، چھوٹی سی۔

مرزا ناصر احمد: جی۔

جناب یحییٰ بختیار: .....کہ وہ کہتے ہیں کہ "دفعہ ۱۴۴ لگ گئی ہے۔ آپ جلوس نہ نکالیں" وہ کہتے ہیں "ہم نکالیں گے....."

مرزا ناصر احمد: جی۔

جناب یحییٰ بختیار: "....ہم اس کو توڑیں گے۔" چھوٹی سے مثال ہے۔ *Struggle* (کوشش) جو ہے کہ *Constitutional* (آئینی) انہوں نے توڑ دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ نے زیادتی کی کہ "نہیں، آپ نہیں جائیں گے۔" یا گورنمنٹ نے قانون کو *Enforce* (نافذ) کیا، جوان کی بھی ڈیوٹی سمجھی جاتی ہے۔ جب جلوس انہوں نے نکالا، لوگ زخمی ہو گئے۔ گولی چلی۔ لاٹھی چارج ہوا۔ اس طرح یہ چیز چلتے چلتے ایک ایسی پوزیشن پر پہنچ جاتی ہے جب گورنمنٹ کی مشینری بے حس ہو جاتی ہے.....

مرزا ناصر احمد: گورنمنٹ مشینری.....؟

جناب یحییٰ بختیار: بے حس۔

مرزا ناصر احمد: بے حس۔

جناب یحییٰ بختیار: بے حس، *Paralysed* (مفلوج) اور مجبور ہو کر جو فاتح ہے، حاکم ہے، اس کو ملک چھوڑنا پڑتا ہے۔ جیسے انگریز کو چھوڑنا پڑا *Ultimately*.....

مرزا ناصر احمد: جی۔

جناب یحییٰ بختیار: *Quit India Movement* (ہند چھوڑ تحریک) اور مسلم لیگ موومنٹ ساری ایسی ہی ہیں۔ تو اس بارے میں میں پوچھتا ہوں کہ یہ ان کو حق ہے کہ نہیں کہ اس قسم کی جدوجہد کریں تاکہ اپنی آزادی حاصل کر سکیں؟ میں جہاد کے مسئلہ کی طرف نہیں جا رہا۔

مرزا ناصر احمد: نہیں، نہیں، میں سمجھ گیا۔ یہ جو ہے *Constitutional struggle to regain one's independence constitutional struggle* (آزادی حاصل کرنے کے لئے آئینی کوشش) مختلف معانی میں[720] استعمال ہو سکتی ہے۔ جس وقت *When the Govt. is paralysed, there is no law to obey* لاء ہی نہیں رہتا۔

When anarchy takes the place of Legal Government, then the question of breaking the law does not arise; one must struggle for one's survival.

(جب حکومت مفلوج ہو جائے۔ ملک میں کوئی قانون نہ رہے اور قانونی حکومت کی بجائے افراتفری اور عذر کا سا عالم ہو تو ایسے حالات میں قانون شکنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اپنے بچاؤ کے لئے ہر کوئی خود کوشش کرتا ہے)

Mr. Yahya Bakhtiar: I said deliberately a situation is created when the Government machinery gets paralized. I said, "delibrately."

(جناب یحییٰ بختیار: میں نے کہا کہ حکومتی مشینری جان بوجھ کر مفلوج کر دی جائے۔ میں نے کہا جان بوجھ کر)

مرزا ناصر احمد: نہیں، کون؟

Deliberation on whose part?

(جان بوجھ کر کس کی طرف سے)

Mr. Yahya Bakhtiar: On the part of those who struggle for independence; they deliberately create a situation that the Government machinery becomes paralized.

(جناب یحییٰ بختیار: ان کی طرف سے جو آزادی کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ حکومت مفلوج ہو جائے)

www.milliafsd.com

مرزا ناصر احمد: اگر وہ ان کی یہ پہلی ابتدائی جو کوشش ہے، وہ *Under the constitutional right in any sense?* (کسی بھی طور آئینی حقوق کے تحت)

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، *Constitution* (آئینی).....

مرزا ناصر احمد: یعنی ان کے اپنے خیال میں؟

جناب یحییٰ بختیار: نہیں،.....

مرزا ناصر احمد: اگر ان کے اپنے ذہنوں میں، ان کی *Struggle* (کوشش) پھر بھی *Constitutional* (آئینی) ہے، اور نتیجہ وہ نکلتا ہے، تو *I donot want to blame them* (میں انہیں قصوروار نہیں ٹھہرانا چاہتا)

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، میں یہ نہیں کہوں گا۔ میں یہی عرض کروں گا کہ ان کے ذہنوں میں یہ بات *Clear* (صاف) ہے کہ *Constitutional* (آئینی جدوجہد) نہیں ہوسکتی۔ اب ہم کو قانون شکنی کرنی پڑے گی۔ اپنے آپ کو..... جیسا کہ وہ کہتے ہیں جی..... گرفتاریوں کے لئے پیش کریں گے..... میں اس کی بات کر رہا ہوں..... جو قانون *Deliberately* (جان بوجھ کر) توڑیں گے۔ خواہ چھوٹا قانون ہو۔ وہ کہتے ہیں "جلسہ مت کرو۔" وہ کہتے ہیں "کریں گے۔" دفعہ ۱۴۴ لگے گی تو اچھا۔ اس کو توڑیں گے۔ میں ان کی کہہ رہا ہوں جو *Deliberately* (جان بوجھ کر) اس طریقے سے کوشش کر کے، لوگوں کی *Attention draw* (توجہ دلا کر) کر کے، لوگوں کی *Unity* (اتفاق) بڑھا کر، جسے کہتے ہیں قربانی کرنا، بعض لوگ جیلوں میں گئے، بعض سمجھتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ جیلوں میں جائیں۔ بہرحال جو یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت کو ہم پر..... جو ہم پر حکومت ٹھونسی گئی ہے۔ وہ ہماری حکومت نہیں ہے۔ ہم نے آزادی حاصل کرنی ہے۔ اگر قانونی جدوجہد سے ہو تو بہتر، اگر نہ ہو سکے تو ہم غیر قانونی جدوجہد کریں گے اور اس گورنمنٹ کو *Paralyse* (مفلوج) کر کے، فیل کر کے مجبور کریں گے کہ یا تو ہمیں سارا اقتدار دے یا چلی جائے، جیسا بھی ہو۔ تو میں اس *Situation* (حالت) کا کہہ رہا ہوں کہ کیا کوئی جس کو آپ مسلمان کہتے ہیں یا جو بھی انسان ہو جو اپنی غیرت سمجھتا ہے کہ "بھئی! میں آزاد ہوں، *I do not want anybody to rule me politically, do not want anybody to give me orders."*

(میں کسی کو سیاسی طور پر اپنے اوپر حکومت کرنے کی اجازت نہیں دیتا نہ ہی کسی کو میں اپنے اوپر حکم چلانے دوں گا)

اب آپ نے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی بات تھی کہ مارشل ایوب خان آئے۔ ہم میں سے ایک تھے، مسلمان تھے، پاکستانی تھے۔ انہوں نے ایک آئین دیا جس میں انہوں نے کہا کہ:

"I, Field-Marshall Mohammad Ayub Khan do hereby give

www.milliafsd.com

you this constitution."

(میں فیلڈ مارشل ایوب خان آپ (عوام) کو آئین دیتا ہوں۔) اور سارا ملک چیخ پڑا کہ ''اس کا کوئی بزنس نہیں۔ *We should give ourselves a Constitution*

(عوام نے کہا ہم اپنے آپ کو خود آئین دیں گے)

ایک فرد نہیں دے سکتا۔ اب یہ تو اپنا فرد تھا۔ اب باہر سے، وائٹ ہاؤس سے آرڈر آتے رہے کہ آئندہ کا یہ Constitution (آئین) ہوگا، یہ ہوگا۔ یہ غیرت نہیں گوارہ کرتی تھی غیرت مند لوگوں کی، میں ان کا ذکر کررہا ہوں۔ میں ان کا ذکر کررہا ہوں انہوں نے Struggle (کوشش) کی۔ انہوں نے قربانیاں دیں۔ اپنے نقطہ نظر سے، یہ سمجھ کر کہ اس گورنمنٹ کو ہم نے Paralyse (مفلوج) کرنا ہے۔ قانونی طریقے سے ہوگیا تو ٹھیک، قانونی طریقے سے نہ ہوا تو غیر قانونی طریقے سے بھی ہم کریں گے۔ کیا یہ Struggle (کوشش) جو اس طریقے سے ہو، جو غیر قانونی طریقے سے ہو۔ اس کو آپ جائز سمجھ سکتے ہیں یا اس کو بغاوت سمجھتے ہیں؟

مرزا ناصر احمد: یہ کچھ انسان کی اپنی جو Thinking (سوچ) ہے ناں، وہ جواب میں تو بہر حال آئے گی۔ میں نے جو اسٹڈی انگریزوں کی یہاں کی حکومت کے متعلق کی ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جہاں بھی ہمیں، ان کی Vision (بیان) کے مطابق، قانون شکنی نظر آتی ہے۔ اس کی ابتداء خود قانون بنانے والے نے قانون توڑ کے کی تھی۔ تو جب حکومت خود اپنے قوانین توڑ دیتی ہے۔ تو جو 722 دوسرا جدوجہد کررہا ہوتا ہے اپنی آزادی کے لئے۔

اس کے اوپر یہ الزام نہیں رکھا جاسکتا کہ قانون تھا اور اس نے توڑا مثلاً میں مثال دیتا ہوں دفعہ ۱۴۴۔ دفعہ ۱۴۴ ایک مستقل سپریم پریویلج Supreme privilege نہیں ہے ڈی۔ سی کا۔ مثلاً ڈی۔ سی۔ جو ہے، وہ دفعہ ۱۴۴ جائز بھی لگا سکتا ہے اور ناجائز طور پر بھی لگا سکتا ہے۔ وہ ناجائز طور پر، جانتے بوجھتے ہوئے کہ مجھے نہیں لگانی چاہئے، اوپر سے حکم آ گیا، وہ لگا سکتا ہے۔ برٹش گورنمنٹ کا حکم آ گیا ہے یا یہ کہ وہ غلط فہمی میں ہے......

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، مرزا صاحب! یہ تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

--

اذان کے آداب، فضائل

شریعت کی اصطلاح میں چند مخصوص الفاظ کے ساتھ اوقات مخصوصہ میں نماز کا وقت آنے کی خبر دینے کو ''اذان'' کہتے ہیں، لغت میں اذان کے معنی خبر دینا ہے، اذان شعائر اسلام میں سے ہے۔ اذان وقت پر دینی چاہیے، اگر وقت سے پہلے دی گئی ہو تو وقت پر دوبارہ دینی چاہیے، اذان کے کلمات صحیح طور پر ادا کیے جائیں۔ (ہم نے دیکھا کہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی مدظلہٗ اس کا بہت اہتمام فرماتے ہیں) اذان دینے والا عاقل؛ بالغ مرد ہو، وضو کے ساتھ اذان دینا بہتر ہے، بے وضو اذان دینے کی عادت نہ ڈالے، دونوں کانوں میں شہادت کی انگلیاں رکھ کر اذان کہے، ٹھہر ٹھہر کر بلند آواز سے کسی ایسی جگہ سے قبلہ رخ کھڑا ہو کر اذان دینی چاہیے کہ دُور تک آواز جائے۔

اذان سے شیطان بھاگتا ہے

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اذان کی آواز سن کر شیطان دور بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ مکان روحاء (جو مدینہ سے مکہ کی جانب ۳۶ میل پر واقع ہے) پہنچ جاتا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مرعی ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان اذان کی جگہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے اور اس کی ریح خارج ہو جاتی ہے اور جب اذان سے فارغ ہو جاتا ہے تو شیطان پھر آجاتا ہے اور جب اقامت کہی جاتی ہے تو پھر بھاگ جاتا ہے اور نماز کے وقت پھر لوٹ آتا ہے یہاں تک آدمی اور اس کے نفس کے درمیان وسوسہ ڈالتا ہے تاکہ نماز آدمی کی نماز میں دلجمعی نہ ہو، شیطان بولتا رہتا ہے ''اُذْکُرْ کَذا اُذْکُرْ کَذا'' وہ یاد کرو، وہ یاد کرو۔ یہاں تک کہ جب کوئی بات قابل ذکر نہیں رہتی تب کہیں جا کر یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ اب نمازی بے چارے کو خبر نہیں رہتی ہے کہ اس نے کتنی رکعتیں نماز پڑھیں۔

ایک اشکال کا جواب

صاحبِ فیض الباری نے یہاں ایک اشکال کا جواب تحریر فرمایا ہے کہ نماز جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سرگوشی اور مناجات ہے، اُس کا مرتبہ اذان سے اگرچہ بدرجہاں بلند ہے، اُس کے باوجود اس

کی یہ کیفیت نہیں ہے کہ وہ شیطان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو۔ بخلاف اذان کے کہ شیطان اسے سن ہی نہیں سکتا۔ یہ صرف دونوں کی نوعیت کا فرق ہے، اس سے اذان کی نماز پر فضیلت مطلقہ ثابت نہیں ہوتی۔

امام اعظم کا واقعہ

یہاں امام اعظم کا ایک واقعہ جو ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح کے ضمن میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص امام صاحبؒ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں نے ایک جگہ اپنا مال دفن کیا تھا، اب میں اس جگہ کو بھول گیا۔ آپؒ نے اسے کہا جا! پورے دھیان سے نماز پڑھ، اس نے پورے خشوع وخضوع سے نماز شروع ہی کی تھی کہ وہ جگہ یاد آ گئی۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان نہیں چاہتا کہ کوئی اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ سے لَو لگا کر یعنی پورے دھیان سے نماز پڑھے کیونکہ وہ یہ دیکھ ہی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کو نماز کا بڑا اجر وثواب عطا فرمائے، اس لیے اس لعین نے اُس کو وہ جگہ یاد دلا دی تا کہ اس کو نماز کی توجہ سے ہٹا دے، شیطان کا مقصد عین انسان کی آخرت کو بگاڑنا ہوتا ہے خواہ اُس کی خاطر سے کچھ دنیوی نفع ہی پہنچا دینا پڑے۔

اذان کا جواب

حصن حصین کی شرح میں ہے کہ ہر اذان سننے والے پر اس کا جواب دینا واجب ہے خواہ جنابت کی حالت ہو۔ (البتہ کوئی پہلے سے نماز، تلاوتِ قرآن اور اپنے وظائف واذکار میں مشغول ہو اس کے لیے جواب دینا ضروری نہیں کہ وہ خود ایک عبادت میں مشغول ہے) ہر ہر کلمات کا بعینہٖ وہی جواب دے جو مؤذن اذان میں کہہ رہا ہے البتہ "حی علی الصلوٰۃ" اور "حی علی الفلاح" کی جگہ سننے والا "لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ" کہے اور صبح کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت" کہے۔ ابو یعلیٰ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے مؤذن کی طرح کہا اور اُس کی گواہی کی طرح گواہی دی تو اس کے لیے جنت ہے۔

یہ ذہن نشین رہے کہ جو اذان کہے وہی تکبیر کہے، کوئی دوسرا شخص تکبیر کہنا چاہے تو وہ مؤذن سے اجازت لے لے، اُس کی اجازت کے بغیر تکبیر کہنا مناسب نہیں۔ بعض علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ مؤذن کی موجودگی میں دوسرے کو اس کی اجازت کے بغیر تکبیر جائز نہیں ہے۔ بہت جگہ یہ دیکھا گیا کہ اذان ایک دیتا ہے تو تکبیر دوسرا شخص۔ یہ غلط رواج ہے، اس کو سدھارنے کی ضرورت ہے۔ حضرت زیاد بن حارثؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فجر کی نماز کے وقت حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے حکم دیا کہ تم اذان کہو (تو) میں نے اذان کہی، اُس کے بعد جب اقامت کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے ارادہ

کیا کہ اقامت وہ کہیں تو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو اذان کہے وہی اقامت کہے۔

ائمہ مساجد کو چاہیے کہ لوگون کو اس بات پر توجہ دلاتے رہیں، بہشتی گوہر میں درج ہے کہ جو شخص اذان دے اقامت بھی اسی کا حق ہے۔ مسلمانو! دین کو سیکھو، دین کو اپناؤ اور دین کو پھیلاؤ اور جہالت کے کاموں سے بچو۔

اذان کی اہمیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! کافروں اور اہل کتاب میں سے جو لوگ تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل قرار دیئے ہوئے ہیں اُنہیں اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر (تم) ایمان رکھتے ہو اور جس وقت تمہیں نماز کے لیے آواز (اذان) دیجاتی ہے تو اس کو یہ لوگ ہنسی اور کھیل ٹھہراتے ہیں، یہ اس لیے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادیؒ نے اس آیت کریمہ کا مفہوم لکھا ہے کہ اس میں دو حصے صاف اور واضح ہیں۔ پہلے حصے میں ارشاد ہوتا ہے کہ جو غیر مسلم، اسلام کا مضحکہ بنائے ہوئے ہیں انہیں اپنا رفیق اور ہمراز دوست بنانا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں (اور جو مسلم اپنے دل میں اللہ کا ڈر رکھتا ہے اُس سے ایسا ہونا ممکن نہیں)

دوسرے حصے میں تمام شعائرِ دین میں سے صرف اذان کو چن کر فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اس پر تمسخر کرتے ہیں، اذان کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ اذان کی تحقیر عین دین اسلام کی تحقیر ہے، اب اپنے گرد و پیش دیکھ کر ارشاد ہوا کہ آج قومیں سب سے زیادہ دین اسلام، شعائرِ اسلام اور عقائدِ اسلام کی تحقیر و تضحیک پر تلی ہوئی ہے، کن قوموں کے اخبارات اور تصانیف نے اسلام اور شارع اسلام صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تمسخر و استہزاء اپنا شعار بنا رکھا ہے؟

کن قوموں کا تمدن و معاشرہ آج نمازیں پڑھتے رہنے اور روزہ رکھتے رہنے، سود کو حرام سمجھنے، شراب سے بچتے رہنے اور تعداد ازدواج کو جائز سمجھنے کو ہدف اور مضحکہ بنائے ہوئے ہے؟ ایسی قوموں کی دی ہوئی عزت، خطاب، ملازمت کو قبول کرنے کی اجازت آپ کا مذہب آپ کو کس حد تک دیتا ہے؟ اس کا جواب کسی باہر کے مفتی سے نہیں، خود اپنے اندر کے مفتی سے، اپنے قلب اور ضمیر سے دریافت فرمایئے۔

امانت اور ایفائے عہد ایک معاشرتی ذمہ داری

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مختلف مواقع پر امانت کی تاکید فرمائی، ذیل میں کچھ ارشادات نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم پیش کیے جاتے ہیں:

(۱)..... جس میں امانت نہیں، اس میں دین نہیں۔

(۲)..... علامات قیامت میں سے ہے "سب سے پہلے اس امت سے امانت کا جوہر جاتا رہے گا اور سب سے آخر میں جو چیز رہ جائے گی وہ نماز ہوگی۔

(۳)..... سچا امانت دار تاجر قیامت کے دن شہداء کے ساتھ ہوگا۔

(۴)..... جب کوئی شخص کسی سے بات کرے اور احتیاط کے پیش نظر اِدھر اُدھر نظر ڈالے کہ کوئی دیکھتا نہ ہو تو وہ بات بھی امانت ہو جاتی ہے۔

(۵)..... میری امت اس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہے گی جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی۔

(۶)..... منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے، جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

(۷)..... مجلس میں جو امور طے پائیں وہ امانت ہیں۔ (لیکن مجلس میں اگر کوئی ایسی بات زیر بحث ہو جس سے کسی کی آبروریزی ہوتی ہو یا کسی کا جانی نقصان یا مالی نقصان ہوتا ہو تو متعلقہ لوگوں کو آگاہ کرنا بددیانتی نہیں ہے)

(۸)..... تم عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو..... کیونکہ تم نے اللہ کی امانت اور عہد کے ساتھ زوجیت میں لیا ہے۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ان تعلیمات کے نتیجہ میں صحابہ کرام اور بزرگانِ دین امانت کے سلسلہ میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، حضرت عبداللہ بن مبارک کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے وطن مرو سے کئی سو میل کی مسافت طے کر کے شام گئے اور جب واپس مرو آئے تو انہوں نے اپنے سامان میں ایک قلم دیکھا فوراً انہیں یاد آیا کہ انہوں نے شام میں کسی سے تھوڑی دیر کے لیے مانگا تھا، اگرچہ انتہائی

معمولی چیز تھی لیکن جو لوگ اللہ سے خوف رکھتے ہیں وہ کہیں بھی شریعت کے حکم سے انحراف نہیں کرتے دوبارہ انہوں نے رختِ سفر باندھا اور مہینوں کے سفر کے بعد اس شخص کو تلاش کر لیا اور اس کا قلم اس کو لوٹا دیا اور دیر ہونے کی اس سے معذرت چاہی۔ جب قلم اس تک پہنچ گیا تو انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے خیانت سے بچالیا۔

اسی طرح محمد بن سیرین کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ چالیس ہزار کا زیتون کا تیل خریدا، اس میں سے مرا ہوا چوہا نکلا۔ بالکل ظاہر تھا کہ وہ چوہا کولہو میں دب کر مر گیا ہے۔ انہوں نے حکم دیا کہ سارا تیل پھینک دیا جائے، نقصان اتنا تھا کہ اس کی تلافی کے لیے رقم پوری نہ تھی جس سے خریدا تھا اس نے قیمت کا مطالبہ کیا، اس کا دینا مشکل تھا۔ مجبوراً قید و بند کی مصیبت برداشت کرنا پڑی لیکن دل نے بے ایمانی کرنا گوارا نہ کیا کہ غلط مال فروخت کر کے روپیہ حاصل کریں۔

ایسے ہی بزرگ ہیں جنہوں نے اپنے عمل سے امانت داری کی وہ مثالیں قائم کر دیں جو آنے والی نسلوں کے لیے روشنی کا مینار ہیں اور اس اسوۂ کو اپنانے والے ہی اصل میں کامیاب ہیں، قرآن کریم نے جن مسلمانوں کو فلاح پانے کی بشارت دی ان میں یہ بھی ہیں ''اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی نگرانی کرتے ہیں۔

ایفائے عہد:

حقیقتاً ایفائے عہد امانت سے مربوط ہی اخلاقی صفت ہے، لغوی مفہوم کے اعتبار سے قول و قرار نباہنے کا نام ایفائے عہد ہے لیکن وسیع مفہوم میں یہ امانت کا ہم پلہ ٹھہرتا ہے مثلاً جو ذمہ داریاں ہم پر عائد ہیں ان کا ادا کرنا امانت ہے، اسی طرح ہم نے اللہ سے جو عہد کیا ہے اور بندوں سے جو عہد کیا ہے اس کا ایفاء کرنا ہمارا فریضہ ہے، قرآن کریم کی بعض آیات میں ان خصوصیات کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا ہے، فلاح پانے والے مسلمانوں کی مخصوص صفات کا بیان ان الفاظ میں فرمایا گیا ''والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون'' اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر جہاں نیک مسلمانوں کے اوصاف بیان کیے گئے ارشاد ہوا ''والذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون'' اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا پاس کرتے ہیں''

قرآن کریم میں جہاں پوری ناپ تول کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں بھی پابندیٔ عہد کی تاکید آئی، اس لیے ناپ تول کے مقررہ پیمانے حقیقتاً ایک قسم کا معاہدہ ہیں جو فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان طے پا چکے ہیں، اب ان کی پابندی لازمی ہے، سورہ بنی اسرائیل میں حکم دیا گیا ''اور عہد کو پورا

کرو کیونکہ قیامت کے دن عہد سے متعلق باز پرس ہوگی اور جب ناپ کرو تو پیمانہ کو پورا بھر دیا کرو اور ڈنڈی سیدھی رکھ کر تولا کرو"

ایفائے عہد کی صفت سب سے زیادہ جس ہستی میں پائی جاتی ہے وہ خود اللہ تعالیٰ ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں سے بہت سے وعدے کیے ہیں مثلاً اعمال قبول کیے جائیں گے، نیکی کی جزاء دی جائے گی، جنت میں بلایا جائے گا، دنیا میں سچ کے لیے خواہ کتنے ہی مصائب برداشت کیے ہوں، ان کا معاوضہ عطا کیا جائے۔ شفاعت نصیب ہوگی وغیرہ وغیرہ، چنانچہ قرآن کریم کی بعض آیات کریمہ میں باری تعالیٰ کے اس صفت سے متصف ہونے کا ذکر اس طرح کیا گیا "اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا" (سورۂ زمر)

اللہ تعالیٰ کے بعد یہ صفت انسانوں میں سب سے زیادہ ان مقدس ہستیوں میں موجود رہی، جنہیں نسل انسانی کی رہنمائی کی ذمہ داریاں سونپی گئیں، حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس خوبی کا اعتراف غیر مسلموں نے اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کٹر دشمنوں تک نے کیا، قیصر روم نے اپنے دربار میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت و کردار سے متعلق جو استفسار کیا تھا، ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کبھی بدعہدی کی ہے اور ابوسفیان نفی میں جواب دینے پر مجبور تھے۔

نبوت سے قبل کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی العماء نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کچھ معاملہ کیا اور کہا میں ابھی آتا ہوں، اتفاق سے ان کے ذہن سے نکل گیا، تین روز بعد جب وہاں سے گزرے تو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو وہاں پایا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کسی ناراضگی کا اظہار نہ کیا، فرمایا میں تین سے تمہارے سے انتظار میں بیٹھا ہوں۔

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو مسلمان مدینہ جائے گا، وہ واپس کر دیا جائے اور جو کافر مکہ جائے گا اسے وہ واپس نہیں کریں گے۔ ابھی معاہدہ کی شرائط تحریر کی جا رہی تھیں کہ حضرت ابوجندلؓ پابۂ زنجیر بھاگ کر بارگاہ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم میں پہنچ گئے، ان کی حالت دیکھ کر مسلمان آبدیدہ ہو گئے لیکن آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "ابوجندل صبر کرو، ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے راہ نکالے گا"

غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمان ساز و سامان اور تعداد اور دونوں کے اعتبار سے قلت کا شکار تھے، دو صحابی حضرت حذیفہ الیمان اور ابو عسلؓ مکہ سے آ رہے تھے، راستہ میں کفار نے انہیں روکا۔ آخر اس شرط پر رہائی ملی کہ وہ لڑائی میں حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ساتھ نہ دیں گے۔ وہ مدینہ پہنچ گئے اور

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ لڑائی میں شریک ہونا چاہتے ہیں لیکن آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ''تم دونوں واپس جاؤ، ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہم کو صرف اللہ کی مدد درکار ہے''

یہ واقعات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں عہد کے ایفاء کرنے کا حکم کتنی شدت کے ساتھ کیا گیا ہے، امانت کے باب میں وہ حدیث گزر چکی ہے کہ عہد کی خلاف ورزی کرنے کو منافق کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔

عہد کی اہم صورتیں:

(۱)..... تمام عہدوں میں سب سے زیادہ اہم وہ عہد ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان روز ازل ہوا، جب اللہ تعالیٰ نے سب کی ارواح سے اپنے رب ہونے کے بارے میں دریافت کیا اور سب نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا، اسی کو ''عہد الست'' کہا جاتا ہے۔

(۲)..... اجتماعی امور میں وہ معاہدات جو دو سلطنتوں یا دو فریقوں وغیرہ کے درمیان کیے جائیں، اہمیت کے حامل ہیں، حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرت ہمارے سامنے ہے کہ آپ نے غیر مسلمون سے جو معاہدات کیے ان کا پورا پاس کیا، غیر مسلموں نے خود ہی ان معاہدات کی دفعات کی خلاف ورزی کی۔

(۳)..... روزہ مرہ زندگی میں فرد کا دوسرے افراد کے ساتھ لین دین اور تعلقات وغیرہ کا قول وقرار بھی عہد میں ہی آتا ہے قرآن کریم میں حکم آیا ''اے ایمان والوں! اپنے قراروں کو پورا کرو۔'' (سورۂ مائدہ) عقد کے لفظی معنی گرہ کے ہیں اور اس میں باہمی معاملات کی تمام گرہیں آجاتی ہیں مثلاً عقد تجارت، عقدِ شرکت، عقدِ یمین (قسم) عقد نکاح وغیرہ

(۴)..... معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے سے میل جول کا وہی انداز اختیار کرنا جس کی توقع ایک دوسرے سے ملنے جلنے سے ہو جاتی ہے وہ بھی عہد کی ایک باریک مشکل ہے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ سے زیادہ مجھے کسی عورت پر رشک نہیں آیا۔ ان کا انتقال میرے نکاح سے تین سال قبل ہو چکا تھا لیکن حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کا تذکرہ فرماتے تھے اور جب بکری ذبح کرتے تو گوشت ان کی سہیلیوں کے ہاں بھیجا کرتے تھے، یعنی جو طرزِ عمل حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں تھا اسے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعد میں بھی قائم رکھا۔

خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

زیور پہننے کی ہوس:

عورتوں کی حالت یہ ہے کہ زیور سے کسی وقت ان کا پیٹ نہیں بھرتا۔ کانوں میں بالیاں بھی ہیں، بندے بھی ہیں ان کو کچھ حس ہی نہیں کہ اس سے کان ٹوٹیں گے یا کیا ہوگا۔ چاہے کان جھک پڑیں مگر ان کو سب زیور لادنا فرض ہے ناک میں نتھ بھی ہے اور لونگ بھی ہے، پھر چاہے لونگ سے ناک میں آگ ہی لگ جائے مگر کیا مجال ہے جو کسی وقت اترے، پھر اس زیور کے شوق میں ان کو ساری مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں۔ یعنی کان چھدوانے مین کتنی تکلیف ہوتی ہے مگر لڑکیاں ہنسی خوشی سب کام کرتی ہے بلکہ اگر کوئی ان سے یہ کہے کہ کان چھدوا کر کیا کرلوگی۔ خواہ مخواہ تکلیف اپنے سر مول لیتی ہو۔ کان مت چھدواؤ تو اس سے لڑنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔

ایک لطیفہ:

ایک بنیے کا قصہ مشہور ہے کہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ذرا سل کا بٹہ اٹھالاؤ، اس نے کہا کہ سل کا بٹہ مجھ سے کیسے اٹھے گا، بھاری پتھر ہے کہیں میری کمر میں لچک نہ آجائے۔ اس نے پتھر تو خود اٹھالیا لیکن سل کو کسی بہانہ سے باہر لے گیا اور ایک سنار کو بلا کر کہا کہ اس سل کے اوپر سونے پتر خوبصورتی کے ساتھ جڑ دے اور اس میں ایک مضبوط زنجیر ڈال دے۔ جب وہ تیار ہو کر آ گئی تو اس نے بیوی کو لا کر دی کہ ہم نے تمہارے واسطے ایک پینکل (زیور) بنوایا ہے اسے پہن لو۔ تو اس نے خوش ہو کر اسے گلے میں ڈال لیا اور گلے میں لٹکائے پھرنے لگے۔ گردن بوجھ سے جھکی جاتی تھی مگر زیور کے شوق میں سب تکلیف گوارہ تھی، اس کے بعد بنئے نے جوتا نکال کر خوب خبر لی کہ کمبخت اس روز تو تجھ سے سل کا بٹہ بھی نہ اٹھتا تھا اور آج سل کو گلے میں لٹکائے پھرتی ہے، آج تیری کمر میں کچھ نہیں ہوتا۔

www.milliafsd.com

خیر یہ قصہ تو گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر جس نے گھڑا ہے، اس نے عورتوں کے مزاج کو خوب سمجھا ہے۔ حقیقت میں ان کو زیور کی حرص ایسی ہے کہ اگر سونے کا زیور بہت بھاری بھی ہو تو یہ کبھی اس کو پہننے سے انکار نہ کریں گے گو گردن اور گلا کیسا ہی دکھتا رہے۔

زیور نہ پہننے کا فیشن:

آج کل کچھ دنوں سے نوعمر لڑکیوں میں زیور کا شوق کم ہو گیا ہے۔ یہ فیشن چلا ہے کہ نوعمر لڑکیاں آج کل کان وغیرہ ننگی رکھتی ہیں۔ چاندی کا زیور تو آج کل عیب شمار ہونے لگا۔ شرفاء کی لڑکیاں صرف سونے کا زیور پہنتی ہیں، وہ بھی صرف کانوں میں دو ہلکے ہلکے بندے اور سارا بدن زیور سے ننگا ہے۔ ہاں پیروں میں کچھ چاندی بھی ڈال لیتی ہیں کیونکہ وہ حقیر چیز ہے۔ پیروں ہی میں ذہنی چاہیے۔ آج کل زیور میں لڑکیوں نے اختصار کر لیا ہے اور اس مذاق کی ابتداء میموں کے اتباع سے ہوئی۔ میمیں زیور نہیں پہنتیں کیونکہ ان کی قوم میں اس کا رواج نہیں۔ حکمران قوم ہیں۔ ان کو دیکھ دیکھ کر ہندوستانی عورتوں میں بھی یہ مذاق پیدا ہو گیا اور یہ اس طرح کہ آج کل جا بجا شفاخانے کھلے ہیں جن میں زنانے شفاخانے بھی ہیں۔ ہندوستانی عورتیں وہاں جا کر میموں سے علاج کراتی ہیں، اس ذریعے سے ان کے پاس آمد و رفت ہوتی ہیں اور جو زیادہ وسعت والے ہیں، وہ میموں کو اپنے گھر پر لاتے ہیں۔ پھر ایک نے تو میموں کو دیکھ کر ان کا طرز اختیار کیا۔ پھر اس کو دیکھ دیکھ کر دوسری عورتوں نے اپنا رنگ بدلا۔

الغرض ان میں (میموں) کا یہ اثر ہے کہ نوعمر لڑکیوں کو زیور کا خیال کم ہو گیا ہے۔ اس کا منشاء کفایت شعاری ہرگز نہیں۔ کیا ساری کفایت شعاری زیور ہی میں رہ گئی۔ اچھے کپڑوں میں کفایت شعاری کیوں نہیں کی جاتی۔ جو لڑکیاں زیور کم پہنتی ہیں وہ کپڑوں میں بڑی رقم صرف کرتی ہیں۔ اسی طرح گھر کی آرائش و زینت میں بھی خرچ کی پرواہ نہیں کرتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا مقصود محض میموں کا اتباع ہے۔ جس چیز میں وہ رقم صرف نہیں کرتیں، اس میں یہ بھی صرف نہیں کرتیں اور جس میں ان کو زیادہ غلو ہے،

اس میں یہ بھی خرچ کی پرواہ نہیں کرتیں بلکہ یہ مذاق (اور رواج) اس درجہ غالب ہوا ہے کہ جن عورتوں میں زیادہ مالی وسعت نہیں بھی ہے، وہ بھی معمولی کپڑوں اور معمولی زیوروں ہی میں ایسی تراش خراش کرتی ہیں اور ایسی وضع (طرز) سے اس کو بناتی ہیں کہ جس سے وہ میم کی طرح نظر آنے لگیں۔ بس ایسی حالت میں ان کو زیور کا خیال کم ہونا کوئی خوشی کی بات نہیں بلکہ یہ تو اس کا مصداق ہوگیا:

؎ اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اگر یہ اپنی وضع پر قائم رہیں پھر زیور کا شوق کم کردیں، اس وقت البتہ خوشی کی بات ہے۔

آواز دار زیور پہننے کا شرعی حکم:

باجہ دار زیور پہننا ممنوع ہے۔ البتہ جس میں خود باجہ نہ ہو مگر لگ کر بجتا ہو، اس کا پہننا جائز ہے مگر اس طرح چلنا کہ اجنبی اس کی آواز سے ممنوع ہے، ارشاد باری ہے:

"وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ"

ترجمہ: اور مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انہوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہوجائے۔

وقال النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم: "لا تدخل الملائکۃ فیہ جرس وقال مع کل جرس شیطان"

ترجمہ: نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہ ہوتے جس میں جرس ہو اور ہر جرس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔

جس زیور کی آواز پیدا ہو وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو خود بجتا ہو جیسے گھنگھرو یا باجہ دار جھانور اس کا پہننا تو اس وجہ سے ہے کہ حدیث میں جرس سے نہیں آئی ہے، بالکل ممنوع ہے اور قرآن میں یہ مراد نہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو خود نہیں بجتا مگر دوسری چیز سے لگ کر آواز دیتا ہے، جیسی چھڑے اور کڑے اور چوڑیاں اس کا پہننا جائز ہے اور اسی کی نسبت اس آیت میں حکم ہے کہ پاؤں زور سے نہ رکھیں یعنی پہننا درست ہے مگر اس کا ظاہر کرنا فتنہ اور اجنبیوں کے میلان کے خلاف درست نہیں (لیکن بعض عورتیں منی ہار (مردوں) سے چوڑیاں پہنتی ہیں، یہ بڑی بیہودہ بات اور (بالکل حرام) ہے۔

بچوں کے صفحات

منصور عام خلفاء بنی عباس کے برخلاف فضول خرچی اور اسراف وتبذیر سے بھی سخت پرہیز کرتا تھا، کسی شاعر کے کسی شعر سے اگر خوش ہوتا بھی تھا تو اسے بہت ہی معمولی سی رقم دے کر خاموش ہو جاتا تھا، ایک مرتبہ بصرہ کے قاری ہیثم نے منصور کے سامنے آیت ''ولا تبذر تبذیرا'' پڑھی تو اس نے دعا مانگی'' اے اللہ! مجھ کو اور میری اولاد کو ان چیزوں میں فضول خرچی کرنے سے بچا جو تو نے اپنے لطف خاص سے ہم کو مرحمت فرما رکھی ہیں۔'' اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنی ہر چیز میں کھانے، پینے، پہننے، اوڑھنے اور لینے دینے میں میانہ روی کو ملحوظ رکھتا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ خزانہ قوم کی امانت ہے اور کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس امانت کو اپنے ذاتی حظ نفس میں صرف کرے۔

منصور کے سلیم الطبع ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے کسی فعل وعمل پر کسی کی زبان سے نکتہ چینی سن کر چیں بجبیں نہیں ہوتا تھا بلکہ اگر بات حق ہوتی تھی تو اسے فوراً قبول کر لیتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ افریقہ کا ایک قاضی دربار خلافت میں حاضر ہوا جو طالب علمی میں منصور کا ساتھی رہ چکا تھا، منصور نے اس سے پوچھا ''تم کو میری حکومت اور بنوامیہ کی حکومت میں کیا فرق نظر آیا اور تم اس بویل سفر میں ہمارے جن جن علاقوں سے گزرتے ہوئے آئے ہو، ان میں نظم ونسق کا کیا حال ہے؟'' قاضی نے جواب دیا'' اے امیر المؤمنین! میں نے اعمال بد اور ظلم وجور کی کثرت دیکھی ہے، پہلے تو میرا گمان یہ تھا کہ اس ظلم وجور کا سبب آپ کا ان علاقوں سے دور ہونا ہے لیکن جتنا قریب آتا گیا معاملہ اسی قدر نازک ہوتا گیا۔'' خلیفہ منصور نے یہ سن کر اپنی گردن جھکالی، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا'' مگر میں لوگوں کا کیا کروں؟'' قاضی نے جواب دیا'' کیا آپ کو معلوم نہیں ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے لوگ بادشاہ وقت کے تابع ہوتے ہیں، بادشاہ اگر نیک ہوگا تو رعایا بھی نیک اور صالح ہوگی اور اگر بد ہے تو رعایا نیک نہیں ہو سکتی۔''

منصور کی عاقبت اندیشی، دور بینی، سیاسی مہارت وبصیرت اور نیک نیتی کا اندازہ اس وصیت نامہ سے ہو سکتا ہے جو اس نے وفات سے چند روز پہلے اپنے بیٹے مہدی کو دیا تھا، ابن جریر نے طبری،

میں اور ابن اثیر الجزری نے کامل میں اس وصیت نامہ کو بتمامہ کمال نقل کیا ہے، الفاظ میں اختلاف ہے مگر دونوں کا حاصل ایک ہے، ذیل میں اس کا خلاصہ نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

اے بیٹے! کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو میں نے تمہارے لیے ہموار اور مہیا نہ کر دی ہو، میں تم کو چند باتوں کی وصیت کو یہ ہوں، اگرچہ میرا گمان ہے کہ تم ان میں سے ایک پر بھی عمل نہیں کروگے۔'' یہ کہہ کر منصور نے ایک صندوقچی منگوائی جس میں متعدد رجسٹر سے رجسٹر نکال مہدی کے حوالے کیے اور کہا تم ان کو بڑی حفاظت سے رکھنا، ان میں تمہارے آباء کا علم محفوظ ہے، اگر کوئی اہم معاملہ پیش آجائے تو پہلے بڑے رجسٹر میں اس کا جواب تلاش کرنا، اگر اس میں نہ ملے تو پھر دوسرا اور تیسرا رجسٹر دیکھنا اسی طرح ساتوں رجسٹر دیکھتے جانا، اگر ان میں سے کسی میں بھی تمہارے سوال کا جواب نہ ملے تو پھر چھوٹا رجسٹر دیکھنا مجھ کو یقین ہے کہ اس میں تم کو اپنے معاملہ کے متعلق ضرور کوئی ہدایت ملے گی۔

اس کے بعد منصور نے بعض امور کی نسبت مہدی کو خاص خاص ہدایتیں کی اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ ان پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہو، اس سلسلے میں اس نے کہا:

(۱)..... بغداد کا خاص خیال رکھنا۔

(۲)..... میں نے بیت المال میں اس قدر روپیہ جمع کر دیا ہے کہ اگر دس برس تک بھی تم کو خراج کی رقم پوری وصول نہ ہو تو تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ تم اس روپیہ کو لشکریوں کی تنخواہوں، مستحقین کے وظائف وعطیات اور سرحدوں کے انتظامات پر خرچ کرنا۔

(۳)..... اہل خاندان اور اعزاء واقارب کے ساتھ صلہ رحمی اور ملاطفت کا معاملہ کرنا کہ انہی سے تمہاری عزت وآبرو ہے۔

(۴)..... ہر کام میں تقویٰ وطہارت اور عدل وانصاف کا خیال رکھنا، کیونکہ جس بادشاہ میں یہ اوصاف نہیں ہیں، درحقیقت وہ بادشاہ ہی نہیں۔

(۵)..... کسی معاملہ میں عورتوں کو مشیر کار نہ بنانا اور جب تک کسی معاملہ میں خوب غور وخوض نہ کرلو، اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کرنا۔

منصور کو یقین تھا کہ اس نے جو وصیت لکھی تھی، وہ اس کی موت کے بعد شرمندۂ عمل نہیں ہوگی، اسی لیے اس نے ہر جملہ کے بعد ''وما اظنک تفعل'' میرا گمان ہے کہ تم اسے نہیں کرو گے۔'' کہا ہے۔

منصور کے بعد ۱۵۸ھ میں مہدی خلیفہ ہوا، اس نے اپنے عہد خلافت میں متعدد اچھے اور تعمیری کام کیے لیکن سب سے بڑا اور شاندار کارنامہ یہ ہے کہ اس نے زنادقہ کے اس فتنہ کا سختی کے ساتھ مقابلہ کیا جو متعدد اسباب و وجوہ سے مسلمانوں میں پھیلنا شروع ہو گیا تھا: اس مقصد کے لیے اس نے ایک مستقل محکمہ قائم کر رکھا تھا جس کا امیر عمر الکواذی نامی ایک شخص تھا اس محکمہ کے لوگوں کا کام یہ تھا کہ وہ ڈھونڈ کر زندیقوں اور ملحدوں کو پکڑ الاتے تھے اور پھر ان کو قرار واقعی سزا ملتی تھی۔ بشار بن برد اس زمانہ کا ایک مشہور زندیق شاعر تھا، ایک مرتبہ مہدی بصرہ میں آیا، اس کے ساتھ حمدویہ تھا جو زندیقوں کی جستجو اور ان کا کھوج لگانے کی خدمت پر مامور تھا، یہاں کہیں بشار حمدویہ کے ہاتھ لگ گیا، مہدی کے سامنے اس کا معاملہ پیش ہوا تو اس نے حمدویہ کو حکم دیا کہ اسے سخت ترین سزا دی جائے۔

لیکن مہدی کا یہ اقدام وقتی اور ہنگامی طور پر تو مفید ہوا، زیادہ دیرپا نہیں ہو سکتا تھا، اس کی وجہ صاف ظاہر ہے یعنی یہ کہ زندقہ والحاد جن اسباب سے پیدا ہو رہا تھا، ان کے استیصال کی طرف توجہ نہیں کی گئی، حرم شاہی میں غلمان و جواری کا عمل دخل بڑھ رہا تھا۔ دربار میں بدعقیدہ عجمیوں کے اثرات ترقی کر رہے تھے اور عام مجالس و محافل میں اب نواس اور بشار بن برد ایسے مطلق العنان شاعر رندی و سیہ مستی کے جذبات پیدا کر رہے تھے، مدارس و مکاتب میں درس قرآن و حدیث کے بالمقابل فلسفہ و عقلیات نے اپنی ایک مستقل درسگاہ قائم کر لی تھی، سامان عیش و عشرت فراوانی نے عہد شباب کی لذت اندوزیوں کے ارمانوں کو دلوں میں بیدار کر دیا تھا۔ محتسب خود پیر مغان کے دست کرم پر بیعت کر چکا ہو تو میخانہ کے دروازہ پر قبل کون لگائے گا؟

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربا فلا تلم الاولاد فیہ علی الرقص

''جب صاحب خانہ ہی طبل بجا رہا ہو تو گھر میں اولاد کو ناچنے پر ملامت نہ کرو۔'' علامہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ کی جلد اول کے شروع میں بعض محدثین اور علماء ربانیین کے وہ اقوال و اشعار نقل کیے ہیں کہ انہوں نے بغداد کے متعلق کہے تھے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ لہو و لعب اور عیش و طرب کی اس فضاء رنگین میں خدا کے ایسے پاک بندے بھی کثیر تعداد میں موجود تھے جو تقویٰ و طہارت اور ثقافت کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اس صورت حال پر سخت مضطرب اور پریشان تھے لیکن ان بزرگوں کی حالت اس شعر کی مصداق تھی۔

دلم بپا کی دامان غنچہ می لرزد کہ بلبلاں ہمہ مستند و باغباں تنہا

فیصل آباد کے قدیم اور تاریخی مدرسہ

بڑھتی ہوئی بجلی کی ضروریات اور مہنگائی کے پیش نظر

جامعہ ملّیہ اسلامیہ،

مسجد مدرسہ والی، میں

(سولر سسٹم)

کی تنصیب میں تعاون کی ضرورت ہے

شمسی توانائی (سولر سسٹم)

الحمدللہ سولر سسٹم کا ایک حصہ مکمل ہوگیا ہے،

بقایاجات کی ادائیگی کے لئے

بھرپور تعاون کی درخواست ہے

50KW

فوری ضرورت برائے تعاون

6,000,000

ساٹھ لاکھ روپے

تمام حضرات اپنی طرف سے اور عزیز و اقارب مرحومین

کی طرف سے خوب حصہ ڈالیں

مولانا جواد الرحمٰن لدھیانوی مہتمم

مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی نائب مہتمم

جامعہ ملّیہ اسلامیہ، محلّہ خالصہ کالج، فیصل آباد

041-8711569

0300-9657076

Monthly

Magazine

Millia

JAMIA MILLIA ISLAMIA
FAISALABAD PAKISTAN
Reg:M # FD-16

اہم اعلان

ابن انیس نمبر ماہنامہ ملیہ فیصل آباد

ابن انیس حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

بانی ماہنامہ ملیہ، مہتمم جامعہ ملیہ اسلامیہ، خلیفہ ومجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ

کی حیات وخدمات پر انشاء اللہ بہت جلد نمبر شائع کیا جائے گا،

تمام شاگرد، متوسلین ومحبین سے گزارش ہے
کہ جلد از جلد اپنے مضامین ارسال فرمائیں

برائے رابطہ:

جامعہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد
محلہ خالصہ کالج، P.O مدینہ ٹاؤن،
041-8711569 0300-9657076
www.milliafsd.com